ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور پاکستان

397 | فروری 2025

مُدیر اعلیٰ

ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی رحمہ اللہ

مجلس التحقیق الاسلامی

جامعۃ لاہور الاسلامیہ

کے زیر اہتمام

LAHORE INSTITUTE FOR SOCIAL SCIENCES

لاہور انسٹیٹیوٹ فار سوشل سائنسز

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے الحاق شدہ

4 سالہ بی ایس اسلامک سٹڈیز

کلاسز کا آغاز

عالیہ / بی اے کی سند کے حاملین کے لیے ڈائریکٹ 5th سمیسٹر میں داخلہ جاری ہے۔

اہلیت : F.A, ICS, F.SC یا کسی بھی وفاق سے ثانویہ خاصہ کیا ہو۔

محدود نشستوں پر داخلہ جاری ہے۔

لاہور انسٹیٹیوٹ فور سوشل سائنسز کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے بی ایس اسلامک سٹڈیز کروانے کے لیے ایفیلیشن سرٹیفکیٹ جاری کر دیا ہے۔

اس طرح لاہور انسٹیٹیوٹ فور سوشل سائنسز، پنجاب میں منفرد ادارہ ہو گا جو ایک ہی وقت میں وفاق المدارس السلفیہ کے تحت درس نظامی کے ساتھ ساتھ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے بی ایس کی ڈگری دلوانے کی خدمت کرنے والا تعلیمی ادارہ بن جائے گا۔

پرنسپل

ڈاکٹر حافظ حسزہ مدنی

لاہور انسٹیٹیوٹ فار سوشل سائنسز

91- بابر بلاک نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 0304-4328010

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدّث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مدیر منتظم
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

جلد 56 | فروری 2025ء / شعبان ۱۴۴۶ھ | عدد 01

مجلس مشاورت

▪ مولانا ارشاد الحق اثری ▪ حافظ ثناء اللہ زاہدی ▪ حافظ مسعود عالم ▪ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
▪ حافظ عبدالستار حماد ▪ حافظ محمد شریف ▪ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد ▪ حافظ محمد امین محمدی

فہرست مضامین

فکر و نظر	اداریہ	دینی مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ	4
فکر و نظر	عبدالرحمٰن عزیز	مدارس کی رجسٹریشن کا قضیہ اور مناسب لائحہ عمل	9
عقائد اہل سنت	ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)	18
احکام و مسائل	قاری حسن فرخ	سورۃ الفاتحہ میں غلطی کرنیوالے کی اقتداء	28
دفاع حدیث	ابوانس طیبی	حضرت موسیٰ کا عریاں غسل کرنے والی حدیث پر اعتراضات	37
عالم اسلام	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	شامی انقلاب؛ ماضی، حال اور مستقبل	41
سیر و سوانح	حافظ زبیر شاہین اعظمی	شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ کی سوانح حیات	52
سیر و سوانح	حبیب اللہ قمر	پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ کی سوانح حیات	57
تبصرہ کتب	حافظ عبدالاعلیٰ درانی	سفرنامہ بیت المقدس	62

مدیر معاون
عبدالرحمٰن عزیز
0308-4131740

مینیجر
محمد اصغر
0305-4600861

زرسالانہ	600/- روپے
فی شمارہ	100/- روپے

بیرون ملک

زرسالانہ	30/- ڈالر
فی شمارہ	5/- ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ

99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے لہٰذا مضمون نگار حضرات سے کُلی اتفاق ضروری نہیں!

دینی مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ

دینی مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ پچھلے دنوں کی قانون سازی سے بظاہر حل ہو گیا ہے لیکن دراصل حل نہیں ہوا جیسا کہ آئندہ سطور کی وضاحت سے معلوم ہو گا۔

دینی مدارس کی رجسٹریشن، نصاب اور دوسرے مسائل کی دو بنیادی وجوہ ہیں: ایک تو یہ کہ مغرب کو دینی مدارس کا وجود اور ان کا نظامِ تعلیم کھٹکتا ہے اور وہ انہیں پہلے مرحلے میں کمزور، غیر موثر اور دوسرے مرحلے میں ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ نظامِ تعلیم کی اصلاح اور بہتری کے نام پر اور دینی مدارس کو تعلیم کے مرکزی دھارے میں (جو پہلے سے مغرب کی الحادی فکر و تہذیب اور اس کے نظامِ تعلیم کی اساسات کو قبول کر چکا ہے) شامل کرنے کے نام پر پاکستان پر دباؤ بھی ڈالتا ہے اور مالی امداد بھی دیتا ہے۔ مغرب کی دوسری تزویراتی حکمت عملی یہ ہے کہ پہلے اس نے اپنے مدمقابل سوویت روس کی گوادر کی بندرگاہ کے ذریعے گرم پانیوں تک رسائی کو افغانستان میں روکنے کے لیے دس سال تک افغان مجاہدین اور پاکستان سے مل کر کامیاب جنگ لڑی اور اس کے نتیجے میں شکست کھا کر سوویت روس ٹوٹ گیا۔ پھر بیس سال تک اس نے افغانستان پر جنگ مسلط رکھی لیکن اس میں وہ افغانیوں کو شکست نہ دے سکا۔ اسی دوران اس نے یہ بات نوٹ کی کہ ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف بسنے والے افغان قبائل درحقیقت ایک ہیں اور پاکستان کے قبائلی علاقے کے مجاہدین، افغان مجاہدین کی مدد بھی کرتے ہیں اور انہیں پناہ بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے پاکستانی حکومت اور فوج کو دھمکی دی کہ پاکستانی علاقے کے قبائل کو کنٹرول کرے ورنہ وہ اس علاقے پر باقاعدہ حملے کرے گا۔ یوں اس نے پاکستانی فوج کو مجبور کر دیا کہ وہ پاکستانی قبائل کو اسلحے کے زور پر افغانستان جانے سے روکے۔ پٹھان چونکہ مسلح ہوتے ہیں اس لیے انہیں اپنے وجود اور علاقے کو بچانے کی خاطر پاکستانی فوج کے خلاف دفاعی گوریلا جنگ لڑنا پڑی اور یوں پاکستانی طالبان وجود میں آئے۔ چونکہ طالبان افغانی ہوں یا پاکستانی، ان کی نظریاتی اساس اسلام سے وابستگی پر ہے جس میں علماء اور دینی مدارس کا بنیادی کردار ہے، اسی لیے اقبال نے دہائیوں پہلے کہا تھا کہ

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج　　مُلّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو

چنانچہ روس کے خلاف افغان جنگ میں امریکہ اور پاکستان نے نہ صرف کھلم کھلا افغان مجاہد گروپوں کی حمایت کی بلکہ اس علاقے کے دینی مدارس کی بھی مدد کی اور روس کے خلاف جنگ میں انہیں استعمال کیا۔ اب جب امریکہ دیورپ نے افغانستان پر قبضہ کرنا چاہا اور وہاں گماشتہ حکومت قائم کرلی اور علاقے میں چینی پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش کی تو اس نے پاکستانی حکومت اور فوج کو ساتھ ملا لیا اور اس نے طالبان مجاہدین کو کچلنے کی کوششیں تیز کردیں اور وہ دینی مدارس کے بھی خلاف ہوگیا اور انہیں پاکستان کی گماشتہ حکومت کے ذریعے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوران پاکستانی حکومت نے دینی مدارس پر سختیاں شروع کیں۔ ان کی رجسٹریشن کا سلسلہ روک دیا۔ غیر ملکی طلبہ کو پاکستانی مدارس سے نکال دیا (جن میں سے کئی بھارت چلے گئے اور مسلم دپاکستان دشمن بھارت کو انہیں پاکستان مخالف ذہن سازی کا موقع مل گیا)، ان کے بینک اکاؤنٹ کھولنے پر پابندی لگ گئی۔ علاوہ ازیں انہیں وزارت داخلہ کے ماتحت رکھا گیا اور خود آرمی چیف نے کئی مرتبہ مدارس کے وفاقوں کے سربراہوں سے ملاقات کی اور ان کے نصاب ونظام کو بدلنے، جدید عصری علوم پڑھانے اور ملک کے مرکزی تعلیمی دھارے میں ان کی شمولیت پر زور دیا۔

اُس وقت ملک میں دینی مدارس کے پانچ بڑے وفاق (حکومت سے منظور شدہ امتحانی بورڈ) تھے اور وہ متحد تھے اور حکومتی اقدامات کی مقدور بھر پُرامن مزاحمت کررہے تھے کیونکہ وہ مدارس کی آزاد حیثیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس وقت مدارس ومساجد کی رجسٹریشن ایک ڈائریکٹوریٹ کرتا تھا جو انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ سے ملحق تھا جو انگریز کے زمانے سے غیر کمرشل، فلاحی، چیریٹی اداروں کی رجسٹریشن کرتا تھا۔ جو ادارے اس سے رجسٹر ہوتے تھے وہ اپنے کام میں آزاد ہوتے تھے اور ان پر کوئی پابندی اس کے سوا نہ تھی کہ وہ سالانہ اپنے حسابات، کارکردگی رپورٹ اور اپنی NGO کے انتظامی ارکان کی فہرست اس ادارے میں جمع کرادے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کا مطالبہ بھی اکثر نہ کرتا تھا اور لوگ ایک دفعہ رجسٹریشن کرا کر برسوں بلکہ دہائیوں آزادی سے کام کرتے رہتے تھے۔

اب جب مغربی دباؤ بڑھا اور اس نے پاکستانی مجاہدین کو جنہیں اب وہ دہشت گرد کہتا تھا، مالی امداد روکنے (یعنی منی لانڈرنگ کے نام پر) پاکستان کو گرے لسٹ (Gray List) میں شامل کردیا اور اس دباؤ کے تحت مدارس ومساجد کی آزادی چھیننے اور انہیں کنٹرول کرنے کے لیے مدارس ومساجد کے لیے اوقاف کے نئے قوانین بنوائے۔ پہلے انہیں قومی اسمبلی وسینٹ سے وفاقی علاقے اسلام آباد کے لیے منظور کرایا اور پھر صوبائی اسمبلیوں سے بھی اسے منظور کرالیا گیا کیونکہ اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم اب صوبائی مسئلہ بن چکی ہے (یہ بھی

بہت غلط ہوا اور مغربی دباؤ پر ہی ہوا تاکہ ملک میں ذہن سازی اور تعمیر سیرت کے کام میں اتحاد و یکجہتی نہ رہے اور ملک کی نظریاتی اساس کمزور ہو جائے)۔

ملک کے پانچ دینی تعلیم کے وفاق چونکہ متحد ہو کر 'اتحاد تنظیمات مدارس' کے نام پر مرکزی حکومت کی پرامن مزاحمت کر رہے تھے اس لیے حکومت نے ان کا زور توڑنے کے لیے دس نئے وفاقوں (امتحان بورڈوں) کی منظوری دے دی اور دینی مدارس کی وفاقی وزارتِ تعلیم کے ساتھ الحاق کا راستہ کھول دیا۔ اس ڈائریکٹوریٹ کے ڈائریکٹر جنرل آج کل ایک میجر جنرل صاحب ہیں۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ مدارس کی تعلیم کو وزارت تعلیم کے تحت رکھ کر کنٹرول کیا جائے اور فوجی سربراہ جب چاہیں فوجی نقطۂ نظر سے مدارس کے کس بل نکال سکیں۔ یاد رہے کہ فیٹف (FATF) کے تحت جو قانون مدارس و مساجد کے تحت بنا تھا، اس کے مطابق حکومت جب چاہے کسی مدرسے اور مسجد کو حکومتی کنٹرول میں لے سکتی ہے اور اس کی پرائیویٹ سیکٹر کی حیثیت کو ختم کر سکتی ہے۔ اس کے لیے ان کو موزوں وقت کا انتظار رہے تاکہ ممکنہ خلفشار سے نمٹا جا سکے۔ جب وزارت تعلیم کے تحت رجسٹریشن شروع ہوئی تو قدیم پانچ وفاقوں نے اس کے تحت رجسٹریشن کرانے سے انکار کر دیا جب کہ نئے بننے والے دس وفاقوں میں سے جتنے فعال تھے، ان کے مدارس نے رجسٹریشن کرا لی۔

جب حکومت پاکستان عدلیہ کو کنٹرول کرنے کے لیے 26ویں ترمیم منظور کرا رہی تھی اور اسے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ووٹوں کی ضرورت تھی تو مولانا نے جہاں حکومت کو اپنی حمایت کی یقین دہانی کرائی وہیں ان سے کچھ دینی معاملات میں رعایتیں بھی مانگیں۔ ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ دینی مدارس کو وزارت انڈسٹری کے تحت رجسٹریشن کی اجازت دی جائے تاکہ وہ خود مختاری سے کام کرتے رہیں۔ چنانچہ انہی دنوں 26ویں آئینی ترامیم کے ساتھ یہ مدارس والا ترمیمی بل بھی دونوں ایوانوں سے پاس ہو گیا۔ جب 26ویں آئینی ترمیم والا کام ہو گیا تو اب حکومت کو خیال آیا کہ اس نے خواہ مخواہ مدارس بل پاس کر دیا۔ چونکہ وہ دونوں ایوانوں سے پاس ہو چکا تھا اس لیے اب اسے روکنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ صدر مملکت اس پر اعتراضات لگا دیتے جو انہوں نے حکومت کے مطالبے پر لگا دیے اور قانون کی منظوری کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ مولانا فضل الرحمٰن نے اس پر سبکی محسوس کی اور انہوں نے حکومت کے خلاف بیانات دینے شروع کیے۔

حکومت نے مولانا فضل الرحمٰن اور تنظیمات مدارس کا توڑ کرنے کے لیے نئے بننے والے دس وفاقوں جن کے قائدین پہلے ہی حکومت کے پسندیدہ اور چنیدہ تھے اور حکومت و اسٹیبلشمنٹ کے حمایتی علماء کا اجلاس بلا لیا جنہوں نے حکومتی ایماء پر وزارت تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کی حمایت کی۔ اس طرح حکومت یہ تاثر دینے میں

کامیاب ہوگئی کہ علماء میں مدارس کی رجسٹریشن کے حوالے سے اختلاف ہے بلکہ یہ کہ اس کے دو گروپ ہیں۔ ایک وزارت تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کرانا چاہتا ہے اور دوسرا انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ۔ حکومت نے پہلے گروپ کے مطالبے کو یہ کہہ کر اہمیت دینی شروع کی کہ مدارس چونکہ تعلیمی ادارے ہیں اس لیے ان کا الحاق وزارت تعلیم ہی سے ہونا چاہیے جبکہ دوسرا گروپ انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ سے اس لیے رجسٹریشن کو ترجیح دے رہا تھا کہ اس میں ان کے لیے زیادہ آزادی ہے۔ حکومت نے دونوں گروپوں کے ساتھ مشاورت کر کے یہ حل نکالا کہ دینی مدارس کو دونوں طرح کی رجسٹریشن کی اجازت دے دی کہ جو چاہے وزارت تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کرالے اور جو چاہے انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ۔ لیکن ایک الجھن اب بھی ایسی ہے جس نے انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ رجسٹریشن کرنے والوں کو مخمصے میں ڈالا ہوا ہے اور وہ یہ کہ تعلیم اب صوبائی معاملہ ہے لہٰذا مرکزی حکومت یا وفاقی وزارت تعلیم جو بھی فیصلے کرے، صوبائی حکومتیں اس پر عمل درآمد کی پابند نہیں۔ اسی لیے صوبائی حکومتوں نے مدارس کی انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ سے رجسٹریشن کرانی شروع نہیں کی اور مولانا فضل الرحمٰن نے وزیر اعظم سے کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں ان کی مدد کریں۔

یہ تو ہوا دینی مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ۔ اس کے ساتھ جڑا ہوا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دینی مدارس میں اصلاحات کیسے کی جائیں۔ حکومت کی خواہش ہے کہ دینی مدارس اپنے ہاں جدید تعلیم کے مضامین پڑھانا شروع کر دیں اور مرکزی تعلیمی دھارے میں شامل ہو جائیں۔ علماء کرام کو اس میں تردد یہ ہے کہ ماضی میں اس طرح کی کوششوں کے نتائج مفید نہیں نکلے۔ بہاولپور کی جامعہ عباسیہ کو "اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور" میں بدلا گیا اور آج وہ دیگر جدید یونیورسٹیوں کی طرح کی ایک عام یونیورسٹی بن چکی ہے اور اس کا خصوصی اسلامی کردار ختم ہو چکا ہے۔ اوقاف کے دینی مدارس عموماً برائے نام اور کاغذی کاروائی کی سطح تک محدود ہیں۔ ملک کی واحد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی اپنا کردار بتدریج کھوتی چلی جا رہی ہے۔ اس لیے دینی مدارس اپنی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور ان کو ڈر ہے کہ اگر وہ کسی بہانے حکومتی دائرہ کار میں چلے گئے تو جلد یا بدیر وہ اپنا وجود کھو دیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت مدارس میں جو اصلاحات لانا چاہتی ہے وہ دینی وفاقوں کے ساتھ مشاورت کے بعد لائے بلکہ بہتر ہوگا کہ اس کے لیے جو کمیٹی یا کمشن بنایا جائے اس میں مدارس کو معتدل مزاج علماء کرام شامل ہوں۔

جہاں تک عصری علوم کو پڑھانے کا سوال ہے بلاشبہ دینی مدارس کو اس طرف، ایک حکمت کے ساتھ، آگے بڑھنا چاہیے کیونکہ اسلام میں دین و دنیا کے الگ ہونے کا تصور موجود نہیں اور ہمارے اسلاف کے ہاں

بھی علوم میں دین و دنیا کی تفریق نہ تھی بلکہ نظام تعلیم موحد تھا اور وہ علماء کرام کے ساتھ دوسرے شعبوں کے افراد بھی تیار کرتا تھا جو معاشرے اور ریاست کے مفید کارکن ہوتے تھے لیکن اس کے لیے یہ بالکل غیر مناسب ہے کہ موجودہ درس نظامی کے ساتھ عصری علوم کا اضافہ کر دیا جائے کیونکہ اس سے طلبہ پر بوجھ بڑھ جائے گا اور اس سے بھی اہم یہ کہ جدید عصری علوم مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کی پیداوار ہیں اور ان میں انکار خدا اور سول و آخرت کے جراثیم اسی طرح موجود ہیں جس طرح جسم میں خون رواں ہوتا ہے اس لیے مغرب کے ترقی دار دعصری علوم کو ہرگز دینی مدارس کو قبول نہیں کرنا چاہیے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے مغربی علوم کی اسلامی تشکیل نو کی جائے اور انہیں اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے، پھر اسلامی علوم اور عصری علوم کو ایک وحدت کے طور پر اکٹھے پڑھایا جائے۔ دینی مدارس کو کچھ عمرانی علوم جیسے اسلامی معاشیات، تربیت اساتذہ، اسلام اور پولیٹکل سائنس، اسلام و ذرائع ابلاغ اور اسلام و مغربی تہذیب وغیرہ کے مضامین تو پڑھانے چاہئیں لیکن اس کے لیے بھی نئے نصابات اور نئی نصابی کتب مدون کرنا پڑیں گی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں البتہ چند لیکچرز کافی ہوں گے تاکہ طلبہ کو ان کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل ہو جائیں۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ ایچ ای سی نے بی اے، ایم اے کو ختم کر دیا ہے اور اب دینی مدارس کے طلبہ کے لیے ممکن نہیں رہا کہ وہ پرائیویٹ طور پر بی اے، ایم اے کر سکیں۔ اب اس کی جگہ بی ایس کا چار سالہ نظام نافذ کر دیا گیا ہے جس کا امتحان پرائیویٹ طور پر نہیں دیا جا سکتا، جبکہ دینی مدارس کی ثانویہ عامہ اور ثانویہ خاصہ کی اسناد کو پہلے سے میٹرک اور ایف اے کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔ اس طرح گویا مدارس کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ان کے طلبہ میٹرک اور ایف اے کا امتحان دیں اور پھر چار سالہ بی ایس اور اس کے بعد ایم فل و پی ایچ ڈی کریں ورنہ اس سے باہر رہیں اور مساجد و مدارس کے علاوہ کہیں کام نہ کر سکیں۔ غالباً ایچ ای سی نے یہ نظام جاری ہی اس لیے کیا ہے تاکہ دینی مدارس کے طلبہ کو زبردستی تعلیم کے مرکزی دھارے میں لایا جائے اور دینی مدارس کی تعلیم کے موجودہ نظام کو بتدریج ختم کر دیا جائے۔ یہ بات دینی مدارس کے لیے لمحہ فکریہ ہے اور انہیں اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
(سیکریٹری جنرل ملی مجلس شرعی پاکستان)

مدارس کی رجسٹریشن کا قضیہ اور مناسب لائحہ عمل

عبدالرحمٰن عزیز

اسلام کا اپنا نظام تعلیم ہے، جو اس قدر مضبوط اور وسعت رکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم یافتہ افراد بیک وقت ریاست کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیتے تھے۔ وہ امام، مدرس، مفتی، قاضی، جنرل، منتظم، گورنر اور سربراہ ریاست سمیت ہر شعبے اور ہر لیول پر کام کرتے تھے۔ یعنی اسلامی نظام تعلیم معاشرے کی تمام ضروریات پوری کرتا تھا۔ بعد میں خلافت راشدہ، بنو امیہ، بنو عباس، عثمانیہ حتیٰ کہ ہندوستان میں مسلمان حکومتوں کے ادوار میں یہی طرز تعلیم تھا۔ مغل دور میں ہندوستان میں شرح خواندگی دنیا میں سے زیادہ تھی۔

انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ تعلیم کی موجود صورتحال میں وہاں کے باشندوں پر حکومت کرنا آسان نہیں، تو انہوں نے قوم کو ایجوکیٹ کرنے کی بجائے انہیں ان پڑھ بنانے کی منصوبہ بندی کی۔ انہوں نے مغل دور کے نظام تعلیم پر پابندی لگادی، مدارس بند کر دیئے، ان کے مالی وسائل بحق سرکاری ضبط کر لیے، اگلی نسل پروان چڑھی تو وہ چٹی اَن پڑھ تھی۔ پھر لارڈ میکالے کی نگرانی میں ایک نظام تعلیم وضع کیا جس کا بنیادی ٹارگٹ انگریز گورنمنٹ کے وفادار نوکر پیدا کرنا تھا۔ اس میں عصری فنون کو شامل کیا گیا، دین اور روحانیت کو کلی طور پر ختم کر دیا۔ دنیاداری، مادہ پرستی، انگریز حکومت سے وفاداری کو کامیابی کی کلید قرار دیا۔ مسلم تہذیب کو ہیچ، مغربی کلچر کو قابل احترام اور طاقتور دکھایا گیا، آخرت کا تصور ختم کر دیا، دنیوی زندگی کو اخروی زندگی اور دنیا کی کامیابی کو حقیقی کامیابی قرار دیا گیا۔ پیسہ، ٹیپ ٹاپ، مالی وسائل کے حصول کو حقیقی ترقی جبکہ امانت داری، دیانت داری، ایفائے عہد اور سچائی کو فضول کی چیزیں گردانا گیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی سالوں میں ایسی قوم تیار ہو گئی جو غلامانہ ذہنیت کے ساتھ ساتھ مذہب، اسلامی تہذیب، مسلم معاشرت اور مشرقی روایات سے تہی دامن تھی۔ ان کے پیش نظر سرکاری نوکری، اچھی تنخواہ، اعلیٰ سٹیٹس، بلند معیار زندگی تھی۔ اس کے حصول کے لیے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے انہیں کچھ عار نہ تھی۔

ان مشکل ترین حالات میں علماء کرام نے اپنی مساجد، گھروں اور حجروں میں دینی علوم کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ یہ چھوٹے چھوٹے حلقات آہستہ آہستہ دینی مدارس کی شکل اختیار کر گئے۔ اس طرح ہندوستان میں دو

نظام تعلیم وجود میں آ گئے: لارڈ میکالے کا نظام تعلیم جو دین اور روحانیت سے تہی دامن خالص دنیاداری سے متعلقہ فنون کی تدریس پر مشتمل تھا، دوسرا علماء کا نظام تعلیم جو صرف دینی علوم وفنون پر مشتمل تھا۔

ہندوستان میں اس کامیاب تجربے کو انگریز نے دوسرے زیر قبضہ ممالک میں بھی دھرایا، لیکن وہاں کے ذمہ داران نے آزادی حاصل ہونے کے بعد معاشرے کی تعمیر نو کی، نظام تعلیم کو اپنی اقدار اور ضروریات کے مطابق ڈھالا۔ مگر افسوس ہمیں آزادی ملی تو انگریزی نظام تعلیم کے تیار کردہ غلام ذہنیت کے لوگ اس ملک پر مسلط ہو گئے، انہوں نے آئین سے لے کر نظام تک ہر چیز میں ناموں کے سوا کچھ تبدیلی نہ کی۔

پاکستانی حکومت نے اسی نظام کو گود لیا جس کی انگریز نے آبیاری کی تھی، جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نسل اسی کی کلون شدہ شکل تھی جو انگریز نے پیدا کی تھی۔ آج بھی کسی سرکاری دفتر میں چلے جائیں سیٹ پر بیٹھے ہوئے افسر کا قوم کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوتا ہے جیسا انگریز کا اپنے غلاموں کے ساتھ تھا، وہی مادہ پرستانہ ذہنیت جو انگریزی تعلیم کا محور تھی، اہل دین سے وہی نفرت وحقارت کا رویہ جو انگریز نے پیدا کیا تھا۔

جب علماء کرام نے دیکھا کہ پاکستان بننے کے بعد یہاں بھی حکومت انگریزی نظام تعلیم کی سرپرستی کر رہی ہے تو انہوں نے دینی تعلیم وتربیت کے لیے اپنی کوششیں شروع کر دیں۔

انگریز حکومت نے ۱۸۶۰ء میں سوسائٹی ایکٹ کے نام سے ایک قانون بنایا تھا جس میں کوئی بھی شخص اپنا ادارہ رجسٹرڈ کرا کر خدمت خلق کا کوئی کام کر سکتا تھا، چونکہ مدارس بھی خدمت خلق ہی کر رہے تھے، اس لیے مدارس کو بھی اسی قانون کے تحت رجسٹرڈ کرانا شروع کر دیا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا، کیونکہ سارا اختیار انگریز کی تربیت یافتہ نوکر شاہی کے پاس تھا۔ اس کے باوجود بہت سارے مدارس رجسٹرڈ کرائے گئے۔

ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم بنے اور انہوں نے سوشل ازم کا نعرہ لگایا تو ملک بھر کے تمام صنعتی ادارے بحق سرکاری ضبط کر لیے۔ اس کے ساتھ بڑے بڑے پرائیویٹ مدارس اور سکولز بھی قومیا لیے گئے، ان میں ۱۱۸ مشنری ادارے اور ۱۳۴۶ اسلامی سکول وکالجز بھی شامل تھے۔ جن میں مختلف شہروں میں اسلامیہ کالجز کے نام سے ایک چین، حمایت اسلام سکولز وکالجز، ریاست بہاولپور کی جامعہ اسلامیہ بہاول پور، ریاست سوات کا قائم کردہ دار العلوم اسلامیہ سیدو شریف شامل تھے، ان میں انگریزی نظام تعلیم رائج کر دیا گیا۔

جنرل ضیاء الحق نے عنان حکومت سنبھالی تو بھٹو دور کی ایک ایک پالیسی کو بدل ڈالا، ضبط شدہ صنعتی ادارے متعلقہ لوگوں کو واپس کر دیئے گئے۔ عیسائی اسکولز وکالجز مشنریز اور چرچوں کو واپس کر دیے گئے، ۱۹۸۵ء میں سندھ حکومت نے ۱۴ مشنری ادارے واپس کر دیئے، لیکن کسی اسلامی تنظیم کو ایک بھی ادارہ واپس نہ کیا گیا۔

علماء کرام نے دین سے ہمدردی رکھنے والے احباب کے تعاون سے نئے سرے سے مدارس قائم کر لیے۔ البتہ ضیاء حکومت نے مذہبی جماعتوں کو ان کے مدارس کے لیے ایک تعلیمی و امتحانی بورڈ بنانے اور اسناد جاری کرنے کی منظوری دے دی اور ان کی اسناد 'ثانویہ عامہ' کو میٹرک، 'ثانویہ خاصہ' کو ایف اے، 'عالیہ' کو بی اے اور 'عالیہ' کو ایم اے کے برابر قرار دیا اور کہا گیا کہ آخری سند 'عالیہ' کو سرکاری اداروں میں ایم اے کے برابر مانا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی بچہ 'عالیہ' کی تکمیل نہیں کرتا تو نیچے والی سندوں کی کوئی ویلیو نہیں ہوگی، لیکن سچ یہ ہے کہ عالیہ کی بھی ڈریکٹ کوئی ویلیو نہیں تھی، بلکہ H.E.C. ایک لیٹر جاری کرتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا کہ یہ سند (عالیہ) آگے تعلیم حاصل کرنے کے لیے M.A. کے برابر ہے، لیکن کسی دوسرے شعبے میں استعمال کرنے کے لیے یہ B.A کے برابر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی سرکاری یونیورسٹی عالیہ کو M.A. کے برابر ماننے کو تیار نہیں تھی اور کوئی سرکاری ادارہ اس کی بنیاد پر کسی چھوٹے گریڈ کی بھی نوکری نہیں دیتا تھا۔

نائن الیون کے حادثہ کی آڑ میں جب امریکا نے دنیا بھر میں دینی اداروں کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا تو پاکستان کے 'بہادر جنرل' پرویز مشرف نے امریکی پالیسیوں کے پیش نظر مدارس کے لیے شدید ترین مشکلات پیدا کر دیں۔ ایجنسیز کو ان پر مسلط کر دیا گیا، رجسٹریشن مشکل کر دی گئی، دینی تعلیم کے لیے بیرون ممالک سے آنے والے طلبہ کے داخلے پر پابندی لگا دی بلکہ جو پڑھ رہے تھے یک قلم انہیں ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا، مدارس کو فنڈنگ پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ ضیاء دور میں سعودیہ کے تعاون سے اسلام آباد میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی تھی، اس کی بھی بین الاقوامی اور اسلامی حیثیت ختم کر دی گئی ہے، اس کے برعکس بھٹو دور میں قومیائے گئے مشنری اداروں میں مزید ۵۹ ادارے انہیں واپس کیے، جن میں مری، شیخوپورہ کے ادارے، ایف سی کالج، کنیرڈ کالج جیسے بڑے بڑے ادارے جن کے ساتھ اربوں روپے کی پراپرٹیز تھیں۔ دو سال قبل حکومت نے مزید ۴ ادارے مشنریز کو واپس کیے، لیکن کسی حکومت نے کوئی بھی دینی مدرسہ بلکہ سکول یا کالج واپس نہ کیا۔

جب پرائیویٹ یونیورسٹیز کا سیلاب آیا تو انہوں نے پیسہ کمانے کے لیے جنرل ضیاء الحق کے دور میں بنائے گئے قانون کا سہارا لے کر عالیہ کی بنیاد پر ایم فل میں داخلہ دینے کا اعلان کر دیا۔

عمران خان وزیر اعظم بنے تو مذہبی رجحان یا سیاسی مجبوری کے سبب دینی اداروں کے لیے نرمی پیدا کی، کچھ اداروں کو فنڈز بھی دیے۔ اگست ۲۰۱۹ء میں ۱۸۶۰ء ایکٹ میں تبدیلیاں کر کے مدارس کے لیے کچھ گنجائشیں پیدا کیں۔ مزید کئی تنظیموں کو مدارس کے وفاق قائم کرنے کی اجازت اور کئی اداروں کو یونیورسٹی کا درجہ دیا،

مدارس کی رجسٹریشن وزارت تعلیم میں کرنے کی اجازت دی۔ مزید اعلان کیا کہ حکومت مدارس میں عصری تعلیم کی حوصلہ افزائی کرے گی، مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے غیر ملکی طلبہ کو حکومت ۹ سال کا تعلیمی ویزہ جاری کرے گی۔ لیکن عملاً یہ ہوا کہ وزارت تعلیم میں ڈریکٹ اور علاقائی سطح پر رجسٹریشن کرنے کی بجائے اسلام آباد میں ایک "ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی تعلیم" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، وزارت تعلیم کے کسی افسر کی بجائے ایک جنرل صاحب کو اس کا ڈائریکٹر مقرر کیا، پاکستان بھر کے مدارس کو اسلام آباد آکر رجسٹریشن کرانے کا حکم صادر کیا، حالانکہ عصری تعلیم دینے والے سکولز یا کالجز کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں۔ اس لیے مدارس خصوصاً پرانے وفاقوں کے بورڈز نے رجسٹریشن کرانے سے انکار کر دیا۔

پی ایم ڈی کے دور حکومت میں پھر مدارس کی رجسٹریشن کے سلسلے میں نئے سرے سے میٹنگز کا سلسلہ شروع ہوا، جن میں وزیر اعظم شہباز شریف، وزیر تعلیم، وزیر داخلہ اور دیگر متعلقہ وزارتوں اور محکموں کے نمائندے بھی موجود ہوتے تھے، بحث و تمحیص کے بعد وزیر اعظم صاحب نے ایک مسودے کی منظوری دی جس میں مدارس کو اختیار دیا گیا کہ وہ سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ء کے سیکشن ۲۱ کے تحت رجسٹرڈ ہوں یا وزارت تعلیم میں، لیکن وزیر اعظم کے اس حکم پر (شاید بیرونی دباؤ پر) عمل درآمد نہیں کیا گیا۔

پھر نئے سرے سے مذاکرات شروع ہوئے جس میں آرمی چیف اور وزیر اعظم صاحبان بھی شامل تھے، وزارت تعلیم اور مدارس کے لیے جو ادارہ قائم کیا گیا تھا ان کی تجاویز کی روشنی میں ایک مسودے پر اتفاق ہو گیا، جس میں وفاقوں کا یہ مطالبہ مان لیا گیا کہ انہیں سول سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے اور خیراتی اداروں (N.G.Os) کے طور پر آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ اسے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا تاکہ یہ باقاعدہ قانون بن جائے، پھر وجہ بتائے بغیر اس پر عمل درآمد روک دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عالمی طاقتیں اس معاملے میں مداخلت کرتی ہیں اور ہماری حکومتیں عالمی دباؤ کے سامنے بے بس ہو جاتی ہیں۔

دسمبر ۲۴ء میں جب حکومت کو ۲۶ویں آئینی ترمیم کی ضرورت پیش آئی اور اسے پاس کرنے کے لیے مولانا فضل الرحمن صاحب سے ووٹ دینے کی درخواست کی تو انہوں نے اس شرط پر ترمیم کے حق میں ووٹ دینے کی حامی بھری کہ دینی جماعتوں سے حکومت نے جو معاہدہ کیا تھا، اسے بطور قانون پاس کیا جائے۔ حکومت نے یہ شرط مجبوراً تسلیم کر لی، ۲۶ویں ترمیم پاس کرنے کے بعد مدارس بل کے معاملے میں حکومت لیت و لعل سے کام لینے لگی تو مولانا صاحب نے اسلام آباد لانگ مارچ کی دھمکی دے دی۔ حکومت نے مجبوراً قومی اسمبلی سے منظور کرا کر صدر پاکستان آصف علی زرداری صاحب کو دستخط کرنے کے لیے بھیج دیا، لیکن

باہمی ملی بھگت سے صدر نے بلاوجہ کے اعتراضات لگا کر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ پوچھنے پر انہوں نے کہا اسے قانون بنانے سے عالمی طاقتیں ناراض ہو جائیں گی اور پاکستان کو قرضہ لینے میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ مولانا کے دباؤ اور دھمکی پر اسے قانون بنایا گیا۔

اس دوران بعض وفاقوں خصوصاً نئے منظور ہونے والے وفاقوں نے اختلاف کیا اور وزارت تعلیم سے الحاق کرنے کو مفید قرار دیا۔ دراصل دونوں وزارتوں سے الحاق کرنے میں مدارس کے لیے کچھ فوائد اور کچھ نقصانات ہیں۔ آیئے! اس کا جائزہ لیتے ہیں:

مدارس اگر وزارت تعلیم کے تحت رجسٹرڈ ہوتے ہیں تو انہیں درج ذیل فوائد کی توقع ہے:

① قومی خزانے سے سکولز اور یونیورسٹیز کی طرح انہیں بھی فنڈز ملیں گے۔

② مدارس کی اسناد کی مقبولیت میں اضافہ ہو جائے گا۔

جبکہ درج ذیل نقصانات کا خدشہ ہے:

① مدارس کو سرکار کی پالیسیوں پر عمل کرنا پڑے گا، جس سے ان کی آزادی محدود ہو جائے گی۔

② نظام اور نصاب کے حوالے سے مدارس کو حکومتی پالیسی کی پابندی کرنا پڑے گی۔

③ مدارس تعلیمی سرگرمی تک محدود ہو جائیں گے۔

④ مدارس کسی قسم کی فنڈنگ اور ذرائع آمدن پیدا کرنے کے مجاز نہیں ہونگے۔

⑤ کسی قومی ایشو پر مدرسہ کا دارالافتاء کو سرکاری موقف ہی اپنانا پڑے گا۔

سول سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہونے سے درج ذیل فوائد حاصل ہو سکتے ہیں:

① مدارس اپنے نظام اور نصاب تعلیم میں آزاد رہیں گے۔

② مدارس اپنے ذرائع آمدن پیدا کرنے میں آزاد ہوں گے۔

③ رجسٹریشن اور آڈٹ کے نظام میں سرکاری دفاتر کی پیچیدگیاں کسی قدر کم ہو جائیں گی۔

④ مدارس کا کردار وسیع رہے گا۔ ایک مدرسہ اگر چاہے تو تعلیمی خدمت کے ساتھ ساتھ یتیم خانہ، ڈسپنسری، ناداروں بیواؤں کی کفالت، قدرتی آفات میں متاثرین کی بحالی، ایمبولینس سروس کی فراہمی جیسی درجنوں سرگرمیاں آسانی کیساتھ جاری رکھ سکتا ہے۔

⑤ کسی ایشو پر مدرسہ کھل کر اپنا موقف دے سکے گا قوم اور عوام کی بہتر راہنمائی میں آزاد ہو گا۔

جبکہ اس کے مقابل نقصانات یہ ہیں

⑥ اس کو سرکار کی معاونت میسر نہیں ہوگی۔

⑦ مدارس کے اسناد کو کماحقہ مقبولیت نہیں ملی گی۔

مسئلہ کا حل

طرفین کے موقف کو دیکھا جائے تو بنیادی طور پر دو مسئلے سامنے آتے ہیں:

① مدارس کی آزادی یعنی سرکار کی عدم مداخلت ② اسناد کی ویلیو

اس حوالے سے چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں:

جب دینی مدارس کے قیام کی بنیاد وجہ ہی یہ ہے کہ حکومت نے دینی تعلیم کی ذمہ داری و سرپرستی سے منہ موڑ رکھا ہے، وہ محض عصری علوم کی کفالت کرتی ہے، ہر سال وہ عصری تعلیم پر قومی خزانے سے اربوں روپے خرچ کرتی ہے۔ اس بالمقابل دینی مدارس اپنی مدد آپ کے تحت مسلم معاشرے کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کر رہے ہیں۔ انہوں نے ملک سے ہمیشہ وفاداری نبھائی، اس کے قانون کا احترام کیا اور اس کی نظریاتی اساس کی حفاظت کی، ایسی صورت میں حکومت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مدارس کے معاملات میں مداخلت کرے۔ جب حکومت سے سندھ اور بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں اسکول چل نہیں رہے، پنجاب کی سرکار اپنے تعلیمی ادارے پرائیویٹ کر رہی ہے۔ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن (پی آئی ای) کی رپورٹ کے مطابق ملک میں ۲ کروڑ ۶۲ لاکھ کے قریب بچے اسکول سے باہر ہیں۔ اس کے برعکس مدارس تیس لاکھ کے قریب بچوں کی تعلیم کا مفت بندوبست کر رہے ہیں، تو ایسی صورت میں مدارس پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنا اور سرکاری نظام تعلیم (جو دراصل مغربی نظام تعلیم ہے) میں آنے کے لیے ان پر دباؤ ڈالنا سراسر زیادتی ہے۔

اسی طرح مدارس کا نصاب تعلیم ان کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کیا گیا ہے، اور وہ اپنے مقصد کو بڑی حد تک پورا کر رہا ہے، لہٰذا قطعاً یہ درست نہیں کہ حکومت مغرب کی خواہش پر اس میں تبدیلی کرے۔

باقی رہا مدارس کی اسناد کی قبولیت کا مسئلہ تو یہ اسپیشلائزیشن کا دور ہے، ہر شخص کسی ایک شعبے میں ایکسپرٹ ہوتا ہے، اس لیے ایک ڈاکٹر سے یہ مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ وہ انجینئر بھی ہو، ایک ادیب سے مطلوب نہیں کہ وہ ڈاکٹر بھی ہو۔ مدارس کے طلبہ اسلام اور عربی سے متعلقہ مضامین کے اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ یونیورسٹیوں کے ایم اے پاس طلبہ مدارس کی ابتدائی کلاسز کے طلبہ سے رہنمائی لیتے ہیں، تو دینی مدارس سے یہ مطالبہ کیوں کہ وہ عصری علوم بھی پڑھائیں؟! ان کا یہ حق ہے کہ ان کی محنت کو تسلیم کیا جائے، انہیں ویلیو دی جائے اور انہیں آگے آنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ملک و قوم کو ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اہل مدارس کی خدمت میں چند گذارشات

مدارس کا مقصد محض منبر و محراب کے لوگ تیار کرنا نہیں ہے، بلکہ معاشرے کی اصلاح ان کا حقیقی فریضہ ہے، ہمیں اگلی نسل کی درست ذہن سازی کے لیے دیندار اساتذہ بھی چاہییں۔ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے سخن ور مصنفین و مؤلفین کی بھی ضرورت ہے۔ زرد صحافت کے مقابلے میں ہمیں دینی صحافت کے شہ سوار تیار کرنے ہیں، مسائل کے حل کے لیے راسخ فی العلم علماء و مفتیان بھی چاہییں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ} [التوبة: ١٢٢]

"پھر (مسلمانوں کے) ہر گروہ میں سے کچھ لوگ دین سیکھنے کے لیے کیوں نہیں نکلے۔"

لہٰذا جہاں ایسے اداروں کی ضرورت ہے جو امام اور خطیب بنائیں یا دینی علوم کے ماہر مدرسین و مصنفین پیدا کریں، وہاں ایسے اداروں سے بھی ہم مستغنی نہیں رہ سکتے جو دین دار سائنس دان، شریعت لاء میں مہارت رکھنے والے مفتی اور جج، اسلامی نظام تجارت کے ماہرین، خارجہ امور میں گہری بصیرت رکھنے والے رجال پیدا کریں۔ ماضی کے برعکس موجودہ دور کے بچے بھی دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے شعبوں میں خدمات انجام دینے کے خواہش مند ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ جن مدارس میں عصری تعلیم کا کچھ بندوبست ہے وہاں طلبہ کی تعداد زیادہ ہے بنسبت ان مدارس کے جہاں ایسا انتظام نہیں ہے، لہٰذا مدارس کے ذمہ داران کو ان کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے اور اپنے ہونہار طلبہ کے لیے ترقی کے نئے راستے کھولنے چاہییں۔

معاشرے کی اسی ضرورت کے پیش نظر کئی اسکولز سسٹم نے اپنے ہاں حفظ قرآن کی کلاس بھی شروع کر لی ہے اور دیندار طبقہ کا رجحان ان کی طرف بڑھ رہا ہے بنسبت ان اسکولز کے جن میں حفظ کا انتظام نہیں ہے۔

پاکستان نے چند سالوں سے اپنے نظام تعلیم میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ پہلے ہمارے نظام میں ایف اے کے بعد دو سال میں بی اے ہوتا تھا، یہ جنرل تعلیم تھی، اس کے بعد دو سال کا ایم اے تھا جو سپیشلائزیشن اور تخصص تھا۔ اب نئے نظام تعلیم میں بی اے اور ایم اے کو ختم کر کے بی ایس کی ڈگری شروع کی گئی ہے جو تخصص ہے، یعنی اب ایف اے کے بعد تخصص شروع ہو گیا ہے۔ دوسری تبدیلی یہ آئی ہے کہ بی ایس پرائیویٹ نہیں ہو گا، بلکہ کسی یونیورسٹی میں ریگولر پڑھ کر ہی بی ایس کیا جا سکتا ہے۔

بڑے مدارس دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اضافی طور پر بی اے اور ایم اے کی سہولت دیتے تھے، طلبہ تیاری کر کے پرائیویٹ طور پر بی اے اور ایم اے کر لیتے تھے، مگر اب ریگولر کی شرط عائد ہونے کے بعد ہمارے طلبہ کے لیے بی ایس کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اس مشکل سے نکلنے کے لیے اہل مدارس کے پاس دو راستے ہیں:

پہلا، اپنے طلبہ کو کسی یونیورسٹی میں باقاعدہ داخلہ کرائیں تاکہ وہاں سے وہ بی ایس کر سکیں۔

دوسرا، جو اس سے کہیں بہتر اور مفید ہے، وہ یہ کہ دینی مدارس آگے بڑھ کر عصری علوم کے ادارے قائم کریں، وزارت تعلیم سے باقاعدہ رجسٹرڈ کرائیں، اپنی یونیورسٹیز چارٹر کرائیں یا پھر کسی یونیورسٹی سے ایفیلیشن (Affiliation) لے کر بی ایس اسلامک سٹڈی شروع کریں۔ آج کل پرائیویٹ یونیورسٹیز خاصہ کی بنیاد پر یہ سہولت دے رہی ہیں۔ بطور خاص بڑے مدارس کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

بی ایس علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کے دوسرے شعبے بھی کھولیں، ہماری مراد آئی ٹی، مینجمنٹ، سوشل سائنسز، اکنامکس اور پولیٹکل سائنس، شریعہ لاء وغیرہ۔ علوم اسلامیہ کو نان کمرشل اور باقی تمام شعبوں کو کمرشل کریں، اس کی ارننگ سے مدارس خود کفیل ہو جائیں گے۔

طلبہ کے لیے بھی اس میں بہت آسانی ہو گئی ہے، کہ جہاں وہ پہلے وفاق المدارس میں چار سالہ اسلامیات میں عالیہ (بی اے) اور عالیہ (ایم اے) کی ڈگری حاصل کرتے تھے، جدید نظام میں انہی چار سالوں میں بی ایس علوم اسلامیہ ہو جائے گا۔ اس میں ۸۰ فیصد مضامین وہی ہیں جو ہمارے مدارس یا وفاق کے نصاب میں ہیں، صرف ۲۰ پرسنٹ یعنی انگلش، میتھ اور مطالعہ پاکستان وغیرہ اضافی مضامین ہیں۔

بی اے میں انگلش کافی لف تھی اور ہمارے بچوں کی انگلش میں بیس نہ ہونے کے سبب ہمارے بچوں کے لیے انگلش میں مسئلہ ہوتا تھا۔ اب چونکہ بی ایس اسپیشلائزیشن ہے، اس لیے اس میں انگلش اور میتھ کی حیثیت کم ہو کر محض میٹرک لیول کی رہ گئی ہے۔ اب ہمارے طالب علم کو دینی اور عصری مضامین کے لیے الگ الگ محنت نہیں کرنا پڑے گی، تھوڑی سی محنت کر کے طالب عالم بیک وقت تین ڈگریز حاصل کر سکے گا: مدرسے کی سند، وفاق کی شہادۃ العالمیہ اور یونیورسٹی کی بی ایس کی ڈگری۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) اس حوالے سے منفرد مقام رکھتا ہے اور دوسرے مدارس کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جامعہ کے سرپرست اعلیٰ ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ نے شروع دن سے ہی یہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ باقاعدہ عصری علوم کی تدریس کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان میں دینی اداروں میں سب سے زیادہ پی ایچ ڈی کرنے والے اور کالجز اور یونیورسٹیز میں خدمات انجام دینے والے اسی جامعہ کے فاضلین ہیں، جو سیکڑوں میں ہیں۔ الحمدللہ علی ذالک

امسال جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) نے باقاعدہ عصری تعلیم کے لیے "لاہور انسٹی ٹیوٹ فار سوشل سائنسز" (LISS) کے نام سے الگ ادارہ قائم کر لیا ہے، جو پنجاب حکومت سے منظور شدہ ہے۔ اسلامی

یونیورسٹی، بہاولپور سے ایفیلیشن (Affiliation) حاصل کر کے درس نظامی + بی ایس علوم اسلامیہ کی باقاعدہ کلاسز شروع کر دی گئی ہیں، جن میں یومیہ چار گھنٹے دینی علوم (وفاق المدارس السلفیہ کا منظور شدہ نصاب) اور تین گھنٹے بی ایس علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ بی ایس علوم اسلامیہ کی کلاس ٹائمنگ ظہر سے عصر کے درمیان رکھی گئی ہے، تاکہ دیگر دینی مدارس کے طلباء کے لیے بھی ڈگری کا حصول بہ آسانی میسر آسکے۔ امسال ڈیڑھ صد طلبہ بی ایس کا امتحان دیں گے۔ ان شاء اللہ

آئندہ سال سے LISS بی ایس علوم اسلامیہ کے علاوہ دس دیگر شعبوں (Faculties) میں بی ایس شروع کر رہا ہے، جس میں انفارمشن ٹیکنالوجی، لینگویجز، معاشیات، سماجیات، سیاسیات، منیجمنٹ سائنس، کامرس، لاء، ابلاغیات اور ایجوکیشن بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

اگر دینی ادارے عصری علوم کے ادارے قائم کرتے ہیں تو اس سے زبردست فوائد حاصل ہوں گے، مثلاً

① ہمارے بچے سرکاری یونیورسٹیوں کے سیکولر، بے دین اور گندے ماحول سے بچ جائیں گے۔

② ہماری بچیاں مخلوط نظام تعلیم Co-education کے برے اثرات سے محفوظ ہوں گی۔

③ نونہالان قوم علماء کرام کی نگرانی اور اسلامی تربیت میں رہ کر اپنے من پسند شعبے میں تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

④ ڈگریز کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

⑤ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد صحت، تعلیم، اقتصاد اور سیاست سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی میں پختہ دینی تربیت سے مسلح ہو کر اسلامی آئیڈیالوجی کے مطابق خدمات انجام دے سکیں گے۔

⑥ ایسے اداروں کے ذریعے معاشرے کے ۹۵ پرسنٹ بچوں تک ہماری رسائی ہو جائے گی اور ان تک اسلام کی دعوت پہنچے گی جو اس سے پہلے ہمارے قریب نہیں آتے۔

⑦ معاشرے کے غریب اور نادار بچے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے، مثال کے طور پر پنجاب یونیورسٹی جو سرکاری ادارہ ہے میں بی ایس اسلامک سٹڈیز کے ایک سمسٹر کی فیس تقریباً ۷۲ ہزار روپے ہے، جبکہ "لاہور انسٹی ٹیوٹ فار سوشل سائنسز" (LISS) میں بی ایس اسلامک سٹڈیز کے ایک سمسٹر کی فیس اوسطاً ۸ ہزار روپے اور تمام سمسٹرز کی مجموعی فیس ۶۵ ہزار روپے ہے۔

مدارس سے ہماری گذارش ہے کہ اس تجربے سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے یہاں بھی اسے نافذ کریں تاکہ ہمارے بچے مستقبل میں دین وملت کی بہترین خدمت کر سکیں۔

قسط(۸)

شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)

افادات: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

ترتیب: حافظ عبدالرحمن عزیز

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ ﴾ [الحشر: ۲۳]

باب: اللہ تعالیٰ کا سورۂ حشر میں ارشاد "اللہ سلامتی دینے والا (السلام) امن دینے والا (مومن) ہے۔"

اس باب میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات ﴿السَّلَامُ﴾ اور ﴿الْمُؤْمِنُ﴾ کا اثبات کرنا مقصود ہے۔ یہ دونوں صفات [سورۃ الحشر: ۲۳] میں ایک ہی آیت میں بیان ہوئی ہیں، اور دونوں کا معنی قریب قریب ایک ہے۔

سلام اسم بھی ہے، صفت بھی اور مصدر بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نام یا صفت کے طور پر قرآن مجید میں صرف ایک بار استعمال ہوا ہے۔ بعض روایات میں اسے اللہ کا اسم قرار دیا گیا ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ: اللهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ[1].

"حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے، اور کہتے: (جس کا ترجمہ یہ ہے) اے ہمارے اللہ! تو سلام ہے، اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے، تو بابرکت ہے، جلال اور عزت والا ہے۔"

عن أنس رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تعالى وضعه الله في الأرض، فَأَفشوا السلام بينكم[2].

"حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، جسے اللہ نے زمین میں رکھ دیا ہے، لہٰذا تم زیادہ سے زیادہ آپس میں سلام کیا کرو۔"

اسی مناسبت سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الاستئذان میں ایک باب قائم کیا ہے:

---

۱ صحیح مسلم: ۵۹۱

۲ الأدب المفرد: ۹۸۹

بَابٌ: السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى

اس بات کا بیان کہ سلام اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

سلام بطور اسم تو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، لیکن بطور صفت خالق اور مخلوق میں مشترک ہے۔ جیسا کہ درج بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سلام کو پھیلانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین کا نام اسلام رکھا ہے، اپنی مخلوق پر اپنی رضامندی کا اظہار لفظ "سلام" کے ساتھ کیا ہے، جیسا کہ ذیل میں آیات آ رہی ہیں۔ جس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سب سے زیادہ اہل زمین پر برستی ہے، یعنی لیلۃ القدر کے متعلق فرمایا:

﴿ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ ﴾ [القدر: ٥] "(وہ) سلامتی ہے، وہ مطلع الفجر تک ہے۔"

سلام کے معانی

"السلام" کے دو معانی ہیں: ایک، ظاہری اور باطنی آفات، عیوب اور نقائص سے پاک ہونا۔ دوسرا، دوسروں کو سلامتی عطا کرنے اور آفات و مصائب سے تحفظ دینے والا۔

پہلے معنی کے اعتبار سے یہ صفت سلبی بھی ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ اثباتی اور فعلی ہے۔

قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کو بہت سارے نقائص سے پاک قرار دیا گیا ہے، مثلاً

﴿ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ [البقرة: ٢٥٥] "نہ اس پر اونگھ غالب آتی ہے اور نہ نیند۔"

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ [البقرة: ٢٥٥]

"کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟۔"

﴿ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ﴾ [البقرة: ٢٥٥] "اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔"

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ [آل عمران: ١٨٢]

"اور اللہ یقیناً اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔"

﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [الأنعام: ١٣٢] "آپ کا رب اس سے بے خبر نہیں۔"

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ ﴾ [مريم: ٦٤] "اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بھول جائے۔"

﴿ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ﴾ [الأنعام: ١٦٣] "اس کا کوئی شریک نہیں۔"

﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ ﴾ [الإخلاص: ٣] "نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے جنا گیا ہے۔"

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ [الإخلاص: ٤] "اور اس کا ہم سر کوئی نہیں۔"

﴿ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ ﴾ [الجن: ٣]

"اور بلاشبہ بلند ہے ہمارے رب کی عظمت، اس نے نہ بیوی بنائی ہے اور نہ اولاد۔"

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ [الإسراء: ١١١]

"اور کہیے! تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نہ اولاد بنائی، اور نہ اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کے سبب اس کا کوئی ولی ہے، اور کہہ دو تمام کبریائی اسی کی ہے۔"

اسی طرح حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کو بہت سارے نقائص سے پاک قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً

« وَأَنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ »[1] "اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں"

«ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، إِنَّكُمْ لاَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلاَ غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ»[2]

"اپنے آپ پر نرمی کرو، تم کسی گونگے (رب) کو پکار رہے ہو اور غائب کو، بلاشبہ تم ایسے رب کو پکار رہے ہو جو قریب سے سننے والا اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

صفت سلام مذکورہ بالا صفات سمیت تمام صفات نقص سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو محفوظ قرار دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی یہ صفت بہت زیادہ پسند اور محبوب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب دین کا نام اسلام اور محبوب بندوں کا نام مسلم رکھا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: ١٩]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (پسندیدہ) دین اسلام ہے۔"

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدة: ٣]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔"

یعنی اسلام وہ دین ہے جو ہر نقص سے سالم اور ہر آفت و عیب سے پاک ہے۔ یا وہ دین جس کے ماننے والے اپنے مالک کی ناراضگی سے بچ جاتے ہیں۔

---

١ صحیح البخاري: ٣٠٥٧

٢ صحیح البخاري: ٤٢٠٥

اور مسلم سے مراد وہ بندے جو اطاعت وعبادت کے سبب اللہ کی عقوبت سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور دار السلام (جنت) کے وارث بن جاتے ہیں۔ دوسرا اس لیے کہ دوسری مخلوقات ان کے شر سے محفوظ رہتی ہے، جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ[1].

"السلام" کے دوسرے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی خوشی اور اپنی رحمت نازل کرتا ہے، اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے:

﴿ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [الصافات: ۷۹] "ساری دنیا میں نوح پر سلام ہو۔"

﴿ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ﴾ [الصافات: ۱۰۹] "ابراہیم پر سلام ہو۔"

﴿ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ ﴾ [الصافات: ۱۲۰] "موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔"

﴿ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ [الصافات: ۱۸۱] "اور رسولوں پر سلام ہو۔"

جنت میں بھی اللہ کے نیک بندوں پر اللہ کا سلام ہوگا:

﴿ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ [یٰس: ۵۸] "مہربان پروردگار فرمائے گا (تم پر) سلامتی ہو۔"

انبیاء کے علاوہ بھی بعض نیک بندوں پر بطور خاص اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: " أَتَى جِبْرِيلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: هَذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ، أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ، وَلَا نَصَبَ.[2]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی ﷺ کی خدمت میں جبریلؑ حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! خدیجہؓ آرہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن ہے، کھانا یا مشروب ہے (راوی کو شک ہے کہ کونسا لفظ بولا تھا)، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے انہیں سلام کہنا، اور انہیں جنت میں موتی کے گھر کی بشارت دینا جس میں کوئی

---

۱ صحیح بخاری: ۱۰، صحیح مسلم: ۴۰

۲ صحیح بخاری: ۳۸۲۰، صحیح مسلم: ۲۴۳۲

شور و شغب ہو گا نہ کوئی تھکن ہو گی۔"

اسی صفت کے ساتھ نبی کے لیے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [الأحزاب: ٥٦]

فرشتوں کا ملنا بھی سلام کے ساتھ ہوتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ ﴾ [هود: ٦٩]

"اور بلاشبہ ہمارے رسول (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو ابراہیم کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔"

اپنے بندوں کو باہم ملنے جلنے کے لیے اسی صفت کا ورد کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ﴾ [الأنعام: ٥٤]

"اور جب آپ کے پاس لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیے: تم پر سلامتی ہو۔"

﴿ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ﴾ [النور: ٦١]

" البتہ جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کہا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ[1].

"تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ، اور ایمان دار نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ باہم محبت کرنے لگ جاؤ۔ کیا میں ایسی چیز کی طرف رہنمائی نہ کروں جسے جان لینے کے بعد تم آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ؟ (وہ یہ ہے کہ) آپس میں کثرت سے سلام کیا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ جگہ جنت کا نام بھی سلام رکھا ہے، فرمایا:

﴿ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ﴾ [يونس: ٢٥]

---

1 صحیح مسلم: ٥٤

"اللہ تعالیٰ دعوت دیتا ہے دار السلام (یعنی جنت) کی طرف۔"

جنت کی صفت بھی سلامتی ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ﴾ [الحجر: ٤٥، ٤٦]

"بلاشبہ متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے، (انہیں کہا جائے گا:) اس میں امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔"

مومن جب جنت میں رونق افروز ہوں گے، تو وہاں بھی ان کا باہم میل جول سلام کے ساتھ ہو گا:

﴿ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۝ ﴾ [إبراهيم: ٢٣]

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ اللہ کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کی دعائے ملاقات سلام ہو گی۔"

السلام اور القدوس میں فرق

سلام اور قدوس دونوں کا معنی عیب و نقائص سے پاک ہونا ہے، یعنی دونوں تنزیہی اسم ہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ قدوس میں تنزیہہ ازلی ہے اور سلام میں تنزیہہ لم یزلی ہے[1]۔

٧٣٨١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ، حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَقُولُ: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلَكِنْ قُولُوا: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ."[2]

ہمیں احمد بن یونس نے بیان کیا، کہ ہمیں زہیر نے بیان کیا، کہ ہمیں مغیرہ نے بیان کیا، کہ ہمیں شقیق بن سلمہ نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ ہم (ابتداء اسلام میں) رسول اللہ ﷺ کے

---

1 شرح اسماء الحسنیٰ از قاضی محمد سلیمان منصور پوری: ٥٦

پیچھے نماز پڑھتے تھے اور کہتے تھے: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تو خود ہی "السَّلَامُ" ہے (اس پر سلام بھیجنے کا کوئی مطلب نہیں ہے)۔ البتہ اس طرح کہا کرو (جس کا ترجمہ یہ ہے): تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی (ﷺ!) آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

لطائف الاسناد

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اور بعد کے تمام راوی کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام بخاری کے استاذ احمد بن یونس کو امام احمد بن حنبل نے شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے۔

شرح الحدیث

سلام اور سلامتی کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ پر سلامتی بھیجنا بے معنی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے دوسروں پر سلامتی کرنے کی دعا کرنی چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اور دوسرے مومنین پر سلامتی بھیجنے کی دعا کرنے کا حکم دیا۔

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور دین کی خدمت گار ہیں اس لیے سب سے زیادہ اللہ کی سلامتی کے مستحق ہیں، یہی وجہ ہے کہ تشہد میں توحید کے اقرار کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے لیے سلامتی کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر دوسرے نیک بندوں پر سلامتی کی دعا بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کیا نبی ﷺ حاضر ناضر ہیں؟

تشہد میں نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجتے ہوئے حرف ندا کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا ہے: (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) ہماری گرامر کا قاعدہ یہ ہے کہ حرف ندا کا استعمال منادیٰ محسوس مبصر کے لیے ہوتا ہے، یعنی جو منادیٰ محسوس ہو اور نظر آرہا ہو اس کے لیے حرف ندا استعمال ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے گرامر کے اس قاعدے کی بنیاد پر یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ نبی کریم ﷺ وفات کے بعد بھی ہر جگہ پر حاضر ناظر ہیں، یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ صحابہ کرام اسلام کے مزاج اور عقیدہ کو ہم سے بہتر جانتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ کبھی نہیں رکھا، بلکہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بعض کبار صحابہ

نے (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) ترک کر کے (السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ) کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی ﷺ حاضر ناضر نہیں ہیں، اور براہ راست ہمارا درود نہیں سنتے[1]۔ تشہد میں صیغۂ خطاب دراصل نبی ﷺ نے جو زندگی میں سکھایا تھا، آج ہم اسی کی پیروی میں کہتے ہیں۔

باقی رہا کہ یہ مسئلہ کہ تشہد میں رسول اللہ ﷺ کے لیے حرف ندا (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) کیوں اختیار کیا گیا ہے؟ تو علماء کرام نے اس کی کئی توجیہات پیش کی ہیں:

① مخاطب کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب محض اپنے جذبات کا اظہار کرنا ہوتا ہے، ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مخاطب شخص حاضر ہے اور آپ کی گفتگو سن رہا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کے دوران بیت اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ، مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ حُرْمَةً مِنْكِ، مَالِهِ، وَدَمِهِ[2].

"(اے بیت اللہ!) تیری خوشبو سے بڑھ کوئی خوشبو نہیں، تیری عظمت اور تیرے احترام سے بڑھ کر کسی کی عظمت اور احترام نہیں اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، مومن کی عظمت اور اس کے مال اور خون کی حرمت اللہ کے ہاں تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے۔"

② جب مخاطب متکلم کے ذہن میں اس قدر حاضر ہو گویا وہ سامنے ہے، تو اس صورت میں بھی کلمہ ندا استعمال ہوتا ہے۔

③ یہ حرف ندا نہیں ندبہ ہے۔ ندبہ کا معنی ہوتا ہے بلانا، گریہ وبکاء کرنا، یا اپنے جذبات کا اظہار کرنا، جیسے کہ حضرت فاطمہ نے نبی ﷺ کی بے چینی دیکھی تو کہا: ہائے میرے باپ کی بے چینی۔ اہل تشیع کے ہاں امام جعفر صادق کی طرف منسوب ایک دعا، دعائے ندبہ کے عنوان سے مشہور ہے۔ یہ بظاہر خطاب ہے لیکن اصل میں یہ ندبہ ہے۔ اسی طرح تشہد میں (السلام علیک ایھا النبی) بھی مقصود آپ ﷺ کو مخاطب کرنا نہیں ہے، بلکہ محض اپنے جذبات کا اظہار کرنا ہے۔

---

1 ملاحظہ فرمائیں: صحیح بخاری: ۶۲۶۵

2 سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۲، الصحیحہ: ۳۴۲۰: قال الالبانی: حسن

④ بعض اہل علم کے نزدیک یہ حرفِ ندا ہی ہے، لیکن تشہد میں وہ جذبہ اور کیفیت پائی جاتی ہے کہ انسان خود کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، تو چونکہ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ نبی ﷺ کی اطاعت ہے۔ اس بنا پر نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور بعض علماء کرام کے بقول اس ندا کی وجہ آپ کی نبوت کا ابدی ہونا ہے اور امت کی آپ ﷺ سے وابستگی دائمی اور زندہ ہے، اس لیے یہاں حرف ندا استعمال کیا گیا ہے۔

⑤ تشہد میں خطابی انداز ہے، جس طرح خط میں خطابی انداز اختیار کیا جاتا ہے حالانکہ جب خط لکھا جاتا ہے تب وہ غائب ہوتا ہے، لیکن جب اسے خط پہنچتا ہے، تب وہ حاضر کی مانند ہوتا ہے۔ اس لیے خط میں خطابی انداز سے بات کی جاتی ہے۔ اسی طرح تشہد میں خطابی انداز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

⑥ وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ[1]

⑦ "مجھ پر درود بھیجو، بلاشبہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو۔"

⑧ لہٰذا ایک جگہ پر خطابی انداز سے باقاعدہ عقیدہ وضع کر لینا نبی اکرم ﷺ وفات کے بعد بھی زندہ بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، یہ عقیدہ قطعاً غلط اور قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف ہے۔

مومنوں پر سلام بھیجنا

مذکورہ حدیث میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے تمام نیک بندوں کے لیے سلامتی کی دعا کریں۔ [السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ] کہنے سے خود آپ پر بھی سلامتی ہو گی، اور مخلوقات میں سے تمام نیک بندوں پر سلامتی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قُلْتَهَا أَصَابَتْ كُلَّ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ، أَوْ نَبِيٍّ مُرْسَلٍ، أَوْ عَبْدٍ صَالِحٍ[2]

"جب تو نے یہ کہا، تو یہ دعا پہنچ جائے گی، ہر مقرب فرشتے، نبی مرسل اور نیک بندے تک۔"

دوسرا اسم صفت: المؤمن

اللہ تعالیٰ کا دوسرا اسم صفت "المؤمن" ہے۔

اس کا مادہ امن ہے، اس کے بھی دو معانی ہیں، سلبی اور اثباتی۔ پہلا معنی ہے ہر طرح کے خوف و خطر سے

---

1 سنن أبي داود: ۲۰۴۲

2 مسند أحمد (۷/ ۱۱۶): ۴۰۱۷

محفوظ ہونا، دوسرا معنی ہے امن اور تحفظ دینے والا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا ءَامِنًا ﴾ [البقرة: ١٢٦]

"اور جب ابراہیم نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس جگہ کو امن کا شہر بنا دے۔"

اور اللہ تعالیٰ کو مومن اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صورت میں ایسا نظام اور سسٹم دیا ہے جو ہر شخص کو حق تلفی، ظلم وزیادتی اور خوف سے مکمل طور پر امن مہیا کرتا ہے۔

مومن کا ایک معنی ماننا اور تصدیق کرنا بھی ہوتا ہے، اسی مناسبت سے توحید اور رسالت کے ماننے کو ایمان اور ماننے والے کو مومن کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ صفت اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان مشترک ہے۔

اسماء حسنی کی تصغیر

حافظ ابن حجر نے امام الحرمین کا قول نقل کیا ہے کہ علماء کرام کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تصغیر کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

فوائد:

① "سلام" اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے۔

② سلام کا معنی ہے، تمام عیوب ونقائص اور آفات سے محفوظ ہونا، یا اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کو آفات ومصائب سے محفوظ کرنا۔

③ "سلام" اللہ کی محبوب ترین صفت ہے، جسے اللہ نے بندوں کے استعمال کے لیے زمین پر بھیجا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے، اس لیے اس پر سلام نہیں بھیجنا چاہیے۔

⑤ ہمیں تمام مخلوقات کے لیے سلامتی کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

⑥ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مومن ہے، جس کا معنی خود ہر طرح کے خوف وخطر سے محفوظ اور دوسروں کو امن اور تحفظ دینے والا۔

---

1 فتح الباری: ۱۴/ ۳۱۲

سورۃ الفاتحہ میں غلطی کرنیوالے کی اقتداء

قاری حسن فرخ[1]

نماز دین کا ستون ہے جس کے بغیر دین کی عمارت کا کوئی تصور نہیں، شریعت نے جماعت کی صورت میں تمام لوگوں کو ایک امام کی اقتداء کا حکم دیا ہے تاکہ منظم و مرتب انداز سے یہ فریضہ انجام پائے۔

امامت چونکہ ایک عظیم ذمہ داری ہے اور ہر شخص اس کے معیار پر پورا بھی نہیں اترتا، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے امامت کا معیار واضح فرمادیا کہ ایک شخص میں کیسی خوبیاں پائی جائیں گی تو وہ جماعت کی امامت کا اہل قرار پائے گا۔ ذیل میں کچھ احادیث پیش کی جارہی ہیں:

① حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَحَدُهُمْ، وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَؤُهُمْ»[2].

"جب (نماز پڑھنے والے) تین ہوں تو ان میں سے ایک ان کی امامت کرائے اور ان میں سے امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ان میں سے زیادہ (قرآن) پڑھا ہو۔"

② سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا، وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ»[3].

"لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو وہ جو ان میں سے سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر وہ سنت (کے علم) میں بھی برابر ہوں تو وہ جس نے ان میں سے پہلے ہجرت کی ہو، اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو وہ جو اسلام قبول کرنے میں سبقت رکھتا

---

۱ متعلم مدینہ یونیورسٹی
۲ صحیح مسلم: ۶۷۲
۳ صحیح مسلم: ۶۷۳

ہو۔ کوئی انسان وہاں دوسرے انسان کی امامت نہ کرے جہاں اس (دوسرے) کا اختیار ہو اور اس کے گھر میں اس کی قابل احترام نشست پر اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہ بیٹھے۔"

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں: آپ کا فرمان یؤم القوم خبر بمعنی أمر ہے۔ یعنی آپ ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ امامت میں قاری کو بقیہ لوگوں پر فوقیت دو[1]۔

امام نووی (ت ۶۷۶ھ) شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ کے فرمان "ان میں سے امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ان میں سے زیادہ (قرآن) پڑھا ہو۔" اور "لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو" میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو أقرأ (قاری) کو أفقه (فقیہ) پر مقدم کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ، احمد اور ہمارے بعض اصحاب (شوافع) کا یہی مذہب ہے[2]۔"

③ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ يَؤُمُّ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ، وَأَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ، فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَبُو سَلَمَةَ وَزَيْدٌ وَعَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ[3].

"ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم، مہاجر اولین اور دوسرے اصحاب رسول کی مسجد قباء میں امامت کیا کرتے تھے۔ ان میں ابو بکر، عمر، ابو سلمہ، زید اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم بھی ہوتے تھے۔"

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

"سیدنا سالم کا عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں امامت کرانا اس بات کی دلیل ہے کہ أقرأ کو امامت میں أفقه پر مقدم کیا جائے گا[4]۔"

أقرأ سے کیا مراد ہے؟

اس بارے علماء کے تین اقوال ہیں:

---

۱ شرح المشكاة للطيبي: ٤/ ١١٥٢
۲ المنهاج: ٥/ ١٧٢
۳ صحیح بخاری: ۷۱۷۵
۴ مرقاة المفاتيح: ٣/ ٨٧٠

① اس سے مراد وہ شخص ہے جو خوبصورت تلاوت کرتا ہو اور قرآنی احکامات کا علم رکھتا ہو، خواہ وہ شخص حفظِ قرآن میں بقیہ لوگوں میں سب سے پیچھے ہو۔

② جس نے سب سے زیادہ قرآن حفظ کیا ہو؛ کیونکہ نبی ﷺ نے قراءت کو ہی معیار ٹھہرایا ہے۔

③ اس سے مراد فقیہ ہے؛ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ قرآن جاننے والا ہی سب سے بڑھ کر فقیہ بھی ہوتا تھا، گویا کہ ان کے ہاں یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم تھیں۔

امام مالک، شافعی اور ان کے اصحاب کی رائے ہے کہ أفقہ کو أقرأ پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ نماز میں قراءت کی حاجت بنسبت فقہ کے کم ہے، کیونکہ بسا اوقات نماز میں ایسا معاملہ پیش آسکتا ہے جسے کامل فقیہ ہی صحیح طور سے نبھا سکتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بڑے قراء کی موجودگی میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ امامت پر کھڑا کیا تھا اور حدیث کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ صحابہ میں قرآن کے متعلق زیادہ جاننے والا ہی اس کے احکامات کو بھی زیادہ جاننے والا ہوتا تھا۔

یہ اختلاف ذکر کرنے کے بعد امام نووی فرماتے ہیں:

"حدیث کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ أقرأ کو مطلق طور پر مقدم کیا جائے گا، اور ہماری رائے جسے ہمارے بہت سے اصحاب نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ زیادہ ورع اور خشوع والے کو أفقہ و أقرأ پر مقدم کیا جائے؛ کیونکہ امامت میں ورع کی ضرورت بنسبت بقیہ چیزوں کے زیادہ ہے[1]۔"

أقرأ سے مراد بڑا حافظ ہے، اس کی دلیل سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، بیان کرتے ہیں: میری قوم میں مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن حفظ نہیں تھا، تو لوگوں نے مجھے امامت کے لیے آگے کر دیا جبکہ میری عمر چھ یا سات سال تھی[2]۔

محمد بن عبد الہادی سندی رحمہ اللہ (ت ۱۱۳۸) أقرأ کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

أكثرهم قرآنا وأجودهم قراءة[3].

"جو زیادہ قرآن حفظ کئے ہوئے ہو اور لوگوں میں سب سے اچھی تلاوت بھی کرتا ہو۔"

---

۱ المنهاج: ۵/ ۱۷۳

۲ صحیح بخاری: ۴۰۵۱

۳ حاشية السندي على سنن النسائي ۲/ ۷۶

امام ابن رجب رحمہ اللہ (ت ۷۹۵) فرماتے ہیں:

وهذه المسألة لأصحابنا فيها وجهان: إذا اجتمع قارئان، أحدهما أكثرُ قرآنًا، والآخر أجود قراءةً؛ فهل يُقدَّم الأكثر قرآنًا على الأجود قراءة، أم بالعكس؟ وأكثر الأحاديث تدلُّ على اعتبار كثرةِ القرآن[1].

"اس مسئلہ میں ہمارے اصحاب کی دو آراء ہیں: جب دو قاری موجود ہوں، ایک مقدارِ حفظ میں آگے ہو جبکہ دوسرا تجوید و حسن تلاوت میں ماہر ہو؛ تو اس صورت میں امامت کے لیے کسے مقدم کیا جائے گا؟ (دونوں آراء موجود ہیں لیکن) اکثر احادیث کثرتِ قرآن (حفظ) پر دلالت کرتی ہیں۔"

عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ (ت ۱۳۵۳) فرماتے ہیں:

الْقَوْلُ الظَّاهِرُ الرَّاجِحُ عِنْدِي هُوَ تَقْدِيمُ الْأَقْرَإِ عَلَى الْأَفْقَهِ وَقَدْ عَرَفْتَ فِي كَلَامِ الْحَافِظِ أَنَّ مَحَلَّ تَقْدِيمِ الْأَقْرَإِ حَيْثُ يَكُونُ عَارِفًا بِمَا يَتَعَيَّنُ مَعْرِفَتُهُ مِنْ أَحْوَالِ الصَّلَاةِ[2].

"میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ أقرأ کو أفقہ پر مقدم کیا جائے، حافظ ابن حجر کی کلام سے واضح ہوتا ہے کہ أقرأ کو تبھی مقدم کیا جائے گا جب وہ احوالِ نماز کی بھی معرفت رکھتا ہو۔"

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ (ت ۱۴۲۱) فرماتے ہیں:

فلو وُجِد أقرأ، ولكن لا يَعلم فِقه الصلاة، فلا يعرف من أحكام الصَّلاة إلَّا ما يعرفه عامَّةُ الناس من القراءة والركوع والسجود؛ فهو أَوْلى من العالم فِقهَ صلاته[3].

"اگر ایسا قاری موجود ہو جو احکام صلاۃ سے واقف نہ ہو، اسے نماز کے مسائل کا اتنا ہی علم ہو جتنا ایک عامی شخص کو قراءت اور رکوع و سجود کا ہوتا ہے؛ پھر بھی وہ فقیہ پر مقدم ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔"

سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ احادیث کا ظاہر اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص قرآن زیادہ

---

۱ فتح الباري لابن رجب: ٤/ ١٢٠
۲ تحفة الأحوذي: ٢/ ٢٩
۳ الشرح الممتع: ٤/ ٢٠٥

حفظ کئے ہوئے ہو اور بہترین انداز سے تلاوت بھی کرتا ہو تو ایسے شخص کو بقیہ تمام لوگوں پر حق امامت میں برتری حاصل ہوگی اور نا صرف یہ بات برتری تک رہے گی بلکہ نبی ﷺ نے حکماً فرمایا ہے کہ ایسا شخص ہی امامت کرائے تاکہ نماز میں کسی بھی قسم کی غلطی سے بچا جاسکے۔ اگر کوئی شخص قاری ہونے کے ساتھ عالم بھی ہو تو ایسے شخص کو مقدم کرنے میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ امامت کے یہ تمام معیارات مقرر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ نماز میں کسی بھی قسم کی غلطی سے بچا جاسکے۔

غیر مجود امام کے پیچھے قاری کی نماز

اگر کوئی امام غلطی کرتا ہے تو خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ اسے تنہائی میں سمجھائیں، اسے اپنی غلطیوں کی اصلاح کا کہیں، اگر تو وہ تعلم کے ذریعے اپنی غلطی کی اصلاح کرلے تو بہت خوب، اس میں امام اور مقتدی تمام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

اگر امام کوشش کے باوجود اپنی غلطی درست نہ کرپائے تو وہ معذور ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی صلاحیت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، لہٰذا ایسے شخص کی امامت اس جیسوں کے لیے تو درست ہوگی۔ البتہ جو لوگ اس سے بہتر پڑھ سکتے ہیں ان کے لیے اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ (ت۔۱۱۰) سے پوچھا گیا: ہمارا امام تلاوت میں غلطی کرتا ہے تو آپ نے فرمایا: اسے امامت سے ہٹادو[1]۔ امام ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ (ت۔۴۴۴) شرح خاقانیہ میں اس قول کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

وكذا السنة في من تلك حاله أن يؤخر عن الصلاة بالجماعة إذا كان فيهم من يميز ذلك أحسن منه، ووجد منه عوض[2].

"جس کا تلاوت میں اس جیسا حال ہو تو اس کے لیے یہی سنت ہے کہ اسے جماعت کروانے سے ہٹادیا جائے، جب اس سے بہتر قاری موجود ہو۔"

حنبلی فقیہ أبو القاسم الخرقی رحمہ اللہ (ت۔۳۳۴) رقمطراز ہیں:

وإن أم أمي أميا وقارئنا أعاد القارئ وحده الصلاة[3].

---

۱ مقدمة سنن سعيد بن منصور: ۱۷٦

۲ شرح قصيدة أبي مزاحم الخاقاني، دراسة وتحقيق: غازي بن بنيدر العمري: ۷٤٥

۳ مختصر الخرقي: ۲۹

"اگر کوئی اُمی شخص اُمی اور قاری کو امامت کرائے؛ تو قاری اپنی نماز دہرائے گا۔"

"اُمی" کی وضاحت کرتے ہوئے شارح الخرقي علامہ شمس الدين الزرکشی رحمۃ اللہ علیہ (ت۔۷۷۲) فرماتے ہیں:

"عرفِ فقہاء میں "اُمی" سے مراد ایسا شخص ہے جو سورۃ الفاتحہ کی درست تلاوت نہ کر سکے[1]۔"

سرّی نمازوں میں کسی کی بھی اقتداء میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں قراءت سری ہوگی تو لہذا کسی قسم کی غلطی کے اظہار کا امکان نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَإِنْ صَلَّى الْقَارِئُ خَلْفَ مَنْ لَا يُعْلَمُ حَالُهُ فِي صَلَاةِ الْإِسْرَارِ صَحَّتْ صَلَاتُهُ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَتَقَدَّمُ إِلَّا مَنْ يُحْسِنُ الْقِرَاءَةَ[2].

"اگر قاری ایسے شخص کے پیچھے سرّی نماز پڑھے جس کے احوال کا علم نہ ہو تو اس کی نماز درست ہوگی؛ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نماز کے لیے وہی آگے بڑھا ہوگا جو اچھی تلاوت کرتا ہے۔"

غیر مجود یا غلطی کرنے والے امام کی دو حالتیں ہیں: سورۃ فاتحہ (فرضی قراءت) میں غلطی کرتا ہے یا سورۃ فاتحہ کے علاوہ (غیر فرضی قراءت) میں غلطی کرتا ہے۔

سورہ فاتحہ کے علاوہ قراءت میں غلطی کرنے والا امام

اگر کوئی امام سورۃ الفاتحہ کے علاوہ قراءت میں غلطی کرے تو اس کی اقتداء میں نماز درست ہوگی کیونکہ اس نے فرض قراءت صحیح طریقے سے کرلی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص فاتحہ کے علاوہ قراءت میں جان بوجھ کر غلط پڑھے تو اس شخص کی نماز بھی باطل ہے اور مقتدیوں کی بھی۔

امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت۔۶۷۶) فرماتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ الْفَاتِحَةِ صَحَّتْ صَلَاتُهُ وَصَلَاةُ كُلِّ أَحَدٍ خَلْفَهُ لِأَنَّ تَرْكَ السُّورَةِ لَا يُبْطِلُ الصَّلَاةَ فَلَا يُمْنَعُ الِاقْتِدَاءُ[3].

"اور اگر فاتحہ کے علاوہ قراءت میں غلطی ہو تو اس امام کی نماز بھی درست اور مقتدیوں کی بھی؛ کیونکہ (فاتحہ کے علاوہ) سورت کی تلاوت کو چھوڑنا نماز کو باطل نہیں کرتا، لہذا یہ اقتداء سے مانع نہیں ہے۔"

---

1 شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ۲/ ۹۳

2 المغني: ۲/ ۱٤٥

3 المجموع شرح المهذب: ٤/ ۲٦۹

ابو الخطاب الکلوذانی الحنبلی رحمہ اللہ (ت ۵۱۰) فرماتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ الفَاتِحَةِ لَمْ تَبْطُلْ إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ ذَلِكَ [1].

"اور اگر فاتحہ کے علاوہ میں غلطی کرے تو نماز باطل نہ ہوگی، جب یہ غلطی عمداً نہ ہو۔"

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ (ت ۶۲۰) فرماتے ہیں:

فإن أحال المعنى في غير الفاتحة، لم يمنع صحة الصلاة، ولا الائتمام به، إلا أن يتعمده، فتبطل صلاتهما [2].

"اگر غلطی سے فاتحہ کے علاوہ تلاوت میں معنی بدل جائے، تو یہ صحتِ نماز اور اقتداء میں مانع یا رکاوٹ نہیں ہے، الا یہ کہ وہ جان بوجھ کر غلطی کرے، تو امام و مقتدی دونوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔"

سورہ فاتحہ میں قراءت میں غلطی کرنے والا امام

اس کی دو صورتیں ہوں گی: ایسی غلطی جس سے کلام الٰہی کے حقیقی معنی بدل جائیں یا ایسی غلطی جو معنی پر اثر انداز نہ ہو۔

دونوں صورتوں کو ذیل میں مفصّل بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ فاتحہ میں ایسی غلطی جو معنی بدل دے:

ایسے امام کی اقتداء درست نہیں جو فاتحہ میں ایسی غلطی کرے جس سے معنی فاسد ہو جائے۔ یہ شوافع، حنابلہ اور ایک قول کے مطابق مالکیہ کا مذہب ہے۔

امام نووی شافعی رحمہ اللہ (ت ۶۷۶) فرماتے ہیں:

"تلاوت میں لحن کرنے والے کا امامت کرانا مطلقاً درست نہیں۔ البتہ پھر دیکھا جائیگا کہ آیا اس غلطی سے معنی پر اثر پڑتا ہے یا نہیں... اگر اس کی غلطی معنی پر اثر انداز ہو رہی ہو، مثلاً وہ پڑھے: "أنعمتُ عليهم" تا کے ضمہ یا کسرہ کے ساتھ؛ تو اس کی اپنی نماز بھی باطل اور اس کی اقتداء بھی جائز نہیں [3]۔"

---

۱ الهداية على مذهب الإمام أحمد : صـ ۱۰۰

۲ المغنى :۳/ ۳۲

۳ روضة الطالبين:۱/ ۳۵۰

حنبلی فقیہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (ت ۶۲۰) فرماتے ہیں:

وَمَنْ تَرَكَ حَرْفًا مِنْ حُرُوفِ الْفَاتِحَةِ؛ لِعَجْزِهِ عَنْهُ، أَوْ أَبْدَلَهُ بِغَيْرِهِ، كَالْأَلْثَغِ الَّذِي يَجْعَلُ الرَّاءَ غَيْنًا، وَالْأَرَتِّ الَّذِي يُدْغِمُ حَرْفًا فِي حَرْفٍ، أَوْ يَلْحَنُ لَحْنًا يُحِيلُ الْمَعْنَى، كَالَّذِي يَكْسِرُ الْكَافَ مِنْ إِيَّاكَ، أَوْ يَضُمُّ التَّاءَ مِنْ أَنْعَمْتَ، وَلَا يَقْدِرُ عَلَى إِصْلَاحِهِ، فَهُوَ كَالْأُمِّيِّ، لَا يَصِحُّ أَنْ يَأْتَمَّ بِهِ قَارِئٌ [1].

"جس نے فاتحہ کے حروف میں سے کوئی حرف ترک کر دیا یا اسے کسی دوسرے حرف سے بدل دیا، یا کسی حرف کا دوسرے حرف میں ادغام کر دیا، یا کوئی ایسی غلطی کر دی جس سے معنی بدل گیا، مثلاً: إِيَّاكَ کے ك کو زیر سے پڑھ دیا یا أَنْعَمْتَ کے ت کو ضمہ سے پڑھ دیا، اور وہ شخص اس کی اصلاح پر قادر بھی نہ ہو تو وہ اُمّی کی مانند ہے، اس کے پیچھے قاری کی اقتداء درست نہیں۔"

مالکی فقیہ أبو الحسن القصّار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ يُغَيِّرُ الْمَعْنَى فَيَقُولُ: إِيَّاكِ نَعْبُدُ، وَأَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ، فَيَجْعَلُ الْكَافَ لِلْمُؤَنَّثِ، وَالْإِنْعَامَ لِنَفْسِهِ لَمْ يَجُزْ [2].

"اگر غلطی معنی بدل دے، مثلاً وہ کہے: إِيَّاكِ نَعْبُدُ ک کو ضمیر مؤنث بنا کر کسرہ کے ساتھ اور أَنْعَمْتُ میں إنعام کی نسبت اپنی طرف کر کے ت پر ضمہ پڑھے تو اس کی امامت جائز نہیں۔"

سعودی عرب کے کبار علماء کی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ ہے کہ

وإن كان لحنه في الفاتحة يغيِّر المعنى : فالصلاة وراءه باطلة [3].

"اگر اس کی غلطی فاتحہ میں ہو اور اس سے معنی پر بھی اثر پڑے تو اس کے پیچھے نماز باطل ہوگی۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو امام بنانے سے نبی ﷺ کے حکم (قاری کو باقیوں پر مقدم کرو) کی مخالفت ہوگئی، جو کہ نماز کے فساد کا تقاضا کرتی ہے [4]۔

---

۱ المغني :۲/ ۱٤٥

۲ مواهب الجليل في شرح مختصر خليل للرعيني:۲/ ۹۹

۳ فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء:۲/ ٥۲۷

۴ البيان للعمراني:۲/ ٤۰٥

سورۃ فاتحہ میں ایسی غلطی جس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑے: (خواہ وہ لحنِ جلی ہی ہو)

ایسے امام کی اقتداء کرنا مکروہ ہے لیکن اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ یہ جمہور علماء کرام کا مذہب ہے بلکہ اس کے پیچھے نماز کے فاسد نہ ہونے پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر امام ایسی غلطی کرے جو معنی پر اثر انداز نہ ہو، مثلاً وہ الحمد للہ میں ھ پر ضمہ کے ساتھ پڑھے، تو اس کی اپنی نماز بھی درست ہے اور اس کی اقتداء میں پڑھنے والوں کی بھی درست ہے[1]۔"

شیخ ابن باز رحمہ اللہ (ت ۱۴۲۰) سے سوال ہوا کہ جو امام تلاوت میں غلطیاں کرے یعنی آیات میں کبھی کوئی حرف بڑھادے، کبھی کوئی حرف کم کردے، ایسے شخص کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"اگر غلطی معانی پر اثر انداز نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر غلطی معانی میں بگاڑ کا باعث بنے تو ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، پھر اگر وہ شخص سیکھ کر اپنی تلاوت کی اصلاح کرلے تو اس کی نماز و قراءت درست ہے[2]۔"

فتاویٰ عالمگیری میں درج ہے:

إذا لحن في الإعراب لحنًا لا يغيِّر المعنى، بأن قرأ: لا ترفَعوا أصواتكم برفع التاء، لا تفسُدُ صلاتُه بالإجماع[3].

"جب اعراب میں ایسی غلطی کرے جس سے معنی نہ بدلے، مثلاً وہ: لا ترفعوا أصواتكم میں ت پر پیش پڑھے، تو اس کی نماز بالاجماع فاسد نہ ہوگی۔"

اس کے پیچھے نماز اس لئے درست ہے کہ اس نے فرض قراءت صحیح کرلی ہے[4]۔ اور اس کی اقتداء اس لیے مکروہ ہے کہ امامت محلِّ کمال ہے، جبکہ ان غلطیوں کے ساتھ اس میں نقص واقع ہوتا ہے[5]۔

---

۱ روضة الطالبين: ۱/ ۳۵۰
۲ مجموع فتاوى ابن باز: ۱۲/ ۹۸
۳ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۱
۴ المغني: ۲/ ۱٤٦
۵ البيان للعمراني: ۲/ ٤۰۸

حضرت موسیٰؑ کا عریاں غسل کرنے والی حدیث

پر منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ابوانس طیبی

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور سفیر ہوتے ہیں، ان کی ہر بات اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے، اسی لیے ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء: ٨٠]

"جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی طاعت کی۔"

اسی لیے اگر کبھی کسی نبی پر کوئی الزام لگا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس الزام سے لازمی طور پر بری کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام بڑے شرم وحیا والے تھے، وہ ہمیشہ ایسے کام سے پرہیز کرتے تھے، تو شیطان نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی کہ موسیٰ علیہ السلام کسی جنسی بیماری میں مبتلاء ہیں، اسی لیے اپنے جسم کو چھپا کر رکھتے ہیں۔۔۔ اس بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ آپ کی دعوت اور گفتگو پر غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنے لگے، جیسے ہمارے ہاں لوگ ہیجڑے کی بات کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ گویا شر پسندوں کی اس تہمت کا اثر موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر پڑنے لگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس الزام سے بری کرنا چاہا تو اس کے لیے ایک معجزانہ طریقہ اختیار کیا، جس سے موسیٰ علیہ السلام کی شرم وحیا اور عصمت پر بھی زد نہ پڑے اور آپ کا رسول ہونا مزید واضح ہو جائے۔ اس واقعہ کی تفصیلات صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یوں بیان کی گئی ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا، لاَ يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ، فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالُوا: مَا يَسْتَتِرُ هَذَا التَّسَتُّرَ، إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ: إِمَّا بَرَصٌ وَإِمَّا أُدْرَةٌ: وَإِمَّا آفَةٌ، وَإِنَّ اللهَ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا لِمُوسَى، فَخَلاَ يَوْمًا وَحْدَهُ، فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الحَجَرِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلَى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ الحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ، فَأَخَذَ مُوسَى عَصَاهُ وَطَلَبَ الحَجَرَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ،

حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللهُ، وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ، وَقَامَ الحَجَرُ، فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَلَبِسَهُ، وَطَفِقَ بِالحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ، فَوَاللهِ إِنَّ بِالحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ أَثَرِ ضَرْبِهِ، ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللهِ وَجِيهًا [1].

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "موسیٰ بڑے حیادار اور ستر پوش تھے۔ ان کے حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ انھیں اذیت پہنچانے کے درپے تھے انھوں نے کہا کہ اس قدر بدن چھپانے کا اہتمام صرف اس لیے ہے کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے۔ انھیں برص ہے یا فتق (خصیتین کے بڑا چھوٹا ہونے یا پھول جانے) کی یا کوئی اور بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ان کی تکلیف دہ باتوں (اور ایذا رسانیوں) سے پاک کرنا چاہا، چنانچہ ایک دن موسیٰ تنہا غسل کرنے کے لیے آئے تو ایک پتھر پر اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیے، پھر غسل کرنے لگے۔ فراغت کے بعد کپڑے اٹھانے کے لیے پتھر کی طرف بڑھے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ نکلا۔ موسیٰ نے اپنا عصا لیا اور پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے: اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس پہنچے تو انھوں نے موسیٰ کو برہنہ حالت میں دیکھا، وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں اس تہمت سے بری کر دیا جس کی طرف وہ حضرت موسیٰ کو منسوب کرتے تھے۔ اب پتھر بھی وہاں ٹھہر گیا اور آپ نے اپنے کپڑے لے کر زیب تن کر لیے، پھر اپنے عصا سے پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔ اللہ کی قسم! موسیٰ کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر تین، چار یا پانچ نشان بھی پڑ گئے تھے۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی باتوں سے بری کیا۔ وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز اور باوقار تھے۔"

اس حدیث میں صراحت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے پتھر باذن اللہ لے بھاگا اور اس مجلس کے پاس جا کر ٹھہرا جہاں الزام تراشی کرنے والے موجود تھے، جب انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو اپنی

---

1 صحیح بخاری: ۳۴۰۴

بد گمانی پر نادم ہوئے، یوں رب کریم نے کمال حکمت کے ساتھ اپنے رسول کو ان کی ایذا رسانی سے بری فرمادیا۔

اس پر حدیث کی حجیت کا انکار کرنے والے نادان اور علم وحی کی حلاوت وبصیرت سے محروم لوگ اعتراض کر بیٹھے۔۔۔ کہتے ہیں اس حدیث میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عزت وعصمت کا استہزاء ہے۔۔۔ یہ ان کی بیمار عقل اور بری سوچ کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذریعے موسیٰ کی عزت وعصمت کی حفاظت کی گئی ہے، اور یہ حدیث بتاتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی عزت وعصمت کی حفاظت کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ اجمالاً قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴾

[الأحزاب: ٦٩]

"اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تکلیف دی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بری کیا اس سے جو انہوں نے کہا تھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والے ہیں۔"

اب منکرین حدیث کے سامنے دو ہی راستے ہیں: ایک یا تو قرآن مجید کے اجمال کی قرآن ہی سے تفصیل دیکھ لیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے اسے تسلیم کریں۔

اگر آپ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے لباس ہونا ان کی عصمت کے خلاف ہے تو خود قرآن مجید نے آدم اور حوا کا برہنہ ہونے کا تذکرہ کیا ہے، فرمایا:

﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ ﴾

[الأعراف: ٢٢]

"پھر جب انہوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے پر ظاہر ہو گئیں اور وہ جنت کے پتے اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے۔"

جس طرح آدم وحوا علیہما السلام کے بدنوں سے لباس اترا تو وہ شرم وحیا کے سبب درختوں کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے، بالکل اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے پتھر لے کر بھاگا تو موسیٰ شرم وحیا کے سبب اس کے پیچھے بھاگے تاکہ کپڑے لے کر پہن لیں۔ پتھر مامور من اللہ تھا، وہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گیا، جب پتھر رکا تو فوراً موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے اٹھا کر پہننے شروع کر دیئے۔

مزید قرآن مجید نے سیدہ مریم کے متعلق فرمایا:

﴿ وَالَّتِيٓ أَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا ﴾ [الأنبياء: ٩١]

"اور وہ (مریم) جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا، پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔"

یہ دونوں واقعات قرآن مجید میں کئی جگہوں پر باری تعالیٰ نے خود بیان فرمائے ہیں، کیا یہ کہہ کر ان کا بھی انکار کرتے ہو کہ یہ ان کی عزت و عصمت کے خلاف ہیں، ہم نہیں مانتے؟!۔

مجبوری کی حالت میں معائنہ کے لیے ڈاکٹر کے سامنے برہنہ ہونا اور ولادت کے لیے برہنگی کو بے شرمی قرار دیں تو حیادار کون قرار پائے گا؟۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ اضطرار ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اضطراری حالت میں تھے، اچانک واتفاقاً ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا، تو آپ فطری حیاء کے سبب اس پتھر کے پیچھے بھاگے تھے کہ اپنے کپڑے حاصل کر کے پہن سکیں اور ستر چھپالیں۔

اس واقعہ کا اچانک اور حادثاتی طور پر رونما ہونا بھی موسیٰ علیہ السلام کی شرم وحیا پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ان پر جب ان پر الزام لگایا گیا تو انہوں نے از خود برہنہ ہو کر اس الزام سے بری ہونے کی کوشش نہیں کی، اور اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں لوگوں کے سامنے برہنہ ہونے کا حکم نہیں دیا، بلکہ حادثاتی طور پر انہیں لوگوں کے سامنے برہنہ کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام انتہائی درجہ میں شرم وحیا والے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک بے جا الزام سے بری کرنے کے لیے یہ انداز اختیار کیا ہے، بھلا اس میں کیسے ان کی عزت و عصمت غیر محفوظ ہو گئی ہے۔

البتہ ایک بات بڑی تعجب خیز ہے کہ اس واقعہ سے پہلے بنی اسرائیل کے بدبخت پریشان تھے، اور اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد ہمارے یہاں کے بدبخت پریشان ہیں، یہ واقعہ کیسے اور کیونکر ہو گیا؟

موسیٰ علیہ السلام کا مذکورہ بالا واقعہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور یہ حدیث محض امام بخاری نے ہی نقل نہیں کی، بلکہ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند اسحاق بن راہویہ، سنن ترمذی، شرح مشکل الآثار، مسند احمد، مسند السراج میں مختلف صحیح اسانید سے مروی ہے۔ مزید براں یہ واقعہ اجمالی طور پر قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے۔ خیر القرون میں نہ اس کی سند پر کسی نے اعتراض کیا اور نہ اسے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کے منافی قرار دیا۔ اب اگر کوئی اس پر اپنی عقل ناتواں کے سبب اس پر اعتراض کرتا ہے تو وہ منکر حدیث ہی نہیں، منکر قرآن ہے۔

شامی انقلاب؛ ماضی، حال اور مستقبل

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

بلادِ شام (The Levant) جسے احادیثِ نبویہ میں 'شام' کہا گیا ہے، دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک بابرکت اور مقدس سرزمین ہے۔ احادیث مبارکہ میں جس خطہ ارضی کو 'شام' کہا گیا ہے، اس کی جغرافیائی حدود اُس مملکت سے بہت وسیع ہیں کہ جسے معاصر دنیا 'شام' (Syria) کے نام جانتی ہے۔ معاصر شام ۱۹۴۶ء میں فرانس کے قبضے سے آزاد ہونے کے بعد دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ اس سے پہلے شام کے نام سے موجود خطہ ارضی میں فلسطین، حالیہ اسرائیل، موجودہ شام، اردن، لبنان، سائپرس اور ترکی کا ایک صوبہ شامل تھا۔

بلادِ شام کی فضیلت اور قربِ قیامت میں اہمیت

کافی ساری روایات میں بلادِ شام کی فضیلت مروی ہے چند ایک یہاں تحریر کی جاتی ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ہم ایک دن آپ علیہ السلام کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ شام کے لیے خوشخبری ہو، شام کے لیے خوشخبری ہو۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کس وجہ سے خوشخبری؟ تو آپ نے فرمایا: رحمان کے فرشتوں نے اپنے پَر شام پر پھیلائے ہوئے ہیں[1]۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس دنیا کی ابتداء میں مکہ المکرمہ کو جو اہمیت حاصل رہی ہے، انتہاء میں وہی اہمیت بلادِ شام کی معلوم ہوتی ہے۔ یہی اس دنیا کا مبدا و معاد ہے۔ اس دنیا کی ابتداء اللہ کے گھر بیت اللہ سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک دین اور اہل دین کا مرکز بیت اللہ ہی رہا ہے۔ لیکن قربِ قیامت میں دین اور اہل دین کا مرکز بلادِ شام بن جائے گا جیسا کہ احادیث میں علاماتِ قیامت کے باب میں دو مقامات کا ذکر کثرت سے ملتا ہے؛ دمشق اور بیت

---

۱ مسند احمد: ۲۱۶۰۶

المقدس۔ بعض روایات میں کچھ دیگر مقامات کا بھی ذکر ہے لیکن وہ بھی حالیہ شام ہی کے علاقے ہیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس دوران کہ میں سو رہا تھا، میرے پاس فرشتے آئے۔ انہوں نے کتاب کا عمود میرے تکیے کے نیچے سے نکالا اور شام کا قصد کیا۔ خبردار! فتنوں کے زمانوں میں ایمان شام میں ہوگا۔[1]"

عراق میں شیعہ سنی تقسیم اور شیعہ اکثریت کی وجوہات

عراق میں اس وقت شیعہ اکثریت میں ہیں۔ عراق کی تاریخ میں سنیوں کی اکثریت رہی ہے لیکن انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں عثمانیوں نے عراق کی زرعی پالیسی میں ایسی اصلاحات کیں کہ اس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں سنی عرب قبائل، بدظن ہوئے۔ ان حالات میں نجف اور کربلا میں بڑی تعداد میں ایرانی شیعہ علماء موجود تھے کہ جنہوں نے اس موقعے کا فائدہ اٹھایا اور سنیوں کو شیعیت میں داخل کیا۔ یوں عراق میں شیعہ کی اکثریت ہوگئی۔ ایک اندازے کے مطابق فی الحال عراق میں شیعہ کی تعداد ۶۰ فی صد ہے۔ اس وقت عراق میں شیعہ، سنی اور کرد اتحادیوں کی حکومت ہے کہ جسے شیعہ ہی لیڈ کر رہے ہیں۔ دوسری طرف شام میں علوی شیعہ ۱۰ فی صد اور بقیہ شیعہ فرقے کل آبادی کا ۳ فی صد ہے۔ اس اعتبار سے شام سنی اکثریت کا ملک ہے اور موجودہ انقلاب کے نتیجے میں سنیوں ہی کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ یمن میں بھی زیدی شیعہ ۳۵ فی صد ہیں جبکہ سنی اکثریت میں ہیں لہذا ایک اعتبار سے وہ فی الحال سنی معاشرہ ہی ہے البتہ حکومت زیدی شیعہ کے پاس ہے۔

عراقی و شامی جہادی تحریکوں کے لیے نبوی ہدایت

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ قربِ قیامت میں مسلمان تین لشکروں میں بٹ جائیں گے؛ عراقی، شامی اور یمنی۔ آپ علیہ السلام نے ان تینوں میں سے شامی لشکر کی تعریف کی اور اس کے ساتھ رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یمن میں کنارہ کشی کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کی۔ عربوں میں جب پھوٹ پڑے گی تو وہ تین حصوں میں بٹ جائیں گے یعنی ان میں سے جو فعال، تحریکی اور جہادی ہوں گے، ان کی بات ہو رہی ہے۔ جو غیر فعال ہوتے ہیں تو ان کی اہمیت تو نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ فعال، تحریکی اور جہادی وہ

---

۱ مسند احمد: ۱۷۷۷۵

ہوتے ہیں جو اپنے نظریے کی بالادستی کی جنگ لڑ رہے ہوں یا جہاد و قتال میں مصروفِ عمل ہوں۔ جو عرب اقوام محض اپنی دنیا بنانے میں مگن ہوں تو ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قربِ قیامت میں تین عرب اقوام نظریاتی بنیادوں پر دنیا کا نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش کریں گی، ان میں سے اہل شام کا ساتھ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابنِ حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارے دین کا معاملہ یہ ہو گا کہ تم لشکروں کی صورت میں بٹ جاؤ گے۔ ایک لشکر شام میں، دوسرا عراق میں اور تیسرا یمن میں ہو گا۔ ابن حوالہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اس زمانے کو پالوں تو مجھے اس بارے میں کوئی وصیت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام کو پکڑ لے کیونکہ وہ اللہ کی زمینوں میں سے بہترین سرزمین ہے۔ اللہ کے بہترین بندے اس کی طرف کھچے چلے جائیں گے۔ پس اگر تمہارا ذہن شامی لشکر کا ساتھ دینے پر مطمئن نہ ہو تو یمن کی طرف چلے جانا اور صرف اپنے گھاٹ سے پانی پینا۔ اللہ عزوجل نے میرا اکرام کرتے ہوئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لے لی ہے[1]۔"

ان حالات میں آپ حدیث سے یہ رہنمائی لے سکتے ہیں کہ عرب و عجم کی جہادی تحریکوں کے لیے شامی سنیوں کی حمایت بہترین آپشن ہے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں مروی ہے:

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ عراق کے بہترین لوگ شام نہ چلے جائیں اور شام کے بدترین لوگ عراق نہ چلے جائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان حالات میں تم شام کو اپنا مسکن بناؤ[2]۔"

روایت کی سند میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے اسے "ضعیف" اور بعض نے "صحیح" کہا ہے۔ اگر روایت صحیح ہو تو بعض تجزیہ نگاروں کے نزدیک اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ شام میں سنی انقلاب کے بعد یہاں کے شیعہ عراق بھاگ جائیں اور عراق میں شیعہ حکومت کی سختیوں کے سبب وہاں کے سنی شام آجائیں۔

یمنی جہادی تحریکوں کے لیے نبوی ہدایت

مذکورہ بالا روایت کی روشنی میں یمنی جہادی تحریکوں کے لیے یمن میں الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارنا

---

1 سنن ابی داود: ۲۴۸۳

2 مسند احمد: ۲۲۱۴۵

دوسری معقول آپشن ہے۔ یمن میں اگرچہ شیعہ حکومت ہے لیکن اسرائیل اور امریکہ مخالف ہے۔ اور انہوں نے غزہ کی حمایت میں بحیرہ احمر کی آبی گزرگاہوں میں ان کے بحری جہازوں پر حملے بھی کیے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"قیامت سے پہلے حضر موت یعنی یمن میں ایک جگہ سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان حالات میں ہم کیا کریں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ شام کو اپنا مسکن بنالینا[1]۔"

یمن کی آگ سے کیا مراد ہے، کیا یہ کوئی حقیقی آگ ہو گی یا اس سے مراد استعارہ ہے۔ اس بارے دونوں آراء کی گنجائش موجود ہے۔ اگر تو اس سے حقیقت مراد ہو تو پھر یہ قیامت کے انتہائی قریب کی کوئی علامت ہے کہ جس کے فی الحال ظہور کے امکانات نظر نہیں آرہے۔ اور اگر اس سے مجاز اور استعارہ یعنی جنگ کی آگ مراد ہو تو اس کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ اگر یمن کی جنگ عرب دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو اس وقت میں عربوں کو چاہیے کہ شام کو اپنا تحریکی اور جہادی جدوجہد کا مرکز بنالیں یعنی جس کے لیے ممکن ہو تو وہ شام چلا جائے اور جس کے لیے یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم شام اور اہل شام کی حمایت جاری رکھے۔

الملحمۃ العظمی، بلادِ شام اور نبوی رہنمائی

احادیث مبارکہ میں قربِ قیامت میں ایک بہت بڑی جنگ کا ذکر ملتا ہے کہ جسے تیسری جنگ عظیم کا نام دیا جاسکتا ہے۔ احادیث میں واضح طور موجود ہے کہ اس جنگ عظیم کے دوران مسلمانوں کا مرکز شام ہو گا لہٰذا ان حالات میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے بالمقابل جہاد کرنے والے شامی لشکر کی معاونت کریں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"جب جنگ عظیم ہو گی تو اس دن مسلمانوں کا مرکز دمشق کا قریبی شہر غُوطہ ہو گا اور دمشق شام کا بہترین شہر ہے[2]۔"

اس جنگِ عظیم کو احادیث مبارکہ میں "الملحمة العظمی" جبکہ انجیل مقدس میں آرمیگیڈون

---

۱ سنن الترمذی: ۲۲۱۷

۲ سنن ابی داود: ۴۲۹۸

(Armageddon) کہا گیا ہے۔ یہ جنگِ عظیم کب ہو گی تو بعض دوسری روایات میں اشارہ ہے کہ خروجِ دجال کے ساتھ ہی ہو گی۔ سنن ابی داود کی روایت میں ہے:

"بیت المقدس کی آبادی کے ساتھ مدینہ ویران ہو جائے گا۔ مدینہ کے ویرانی کے بعد جنگ عظیم ہو گی، اور جنگ عظیم کے نتیجے میں قسطنطینیہ فتح ہو گا۔ اس کے بعد دجال کا خروج ہو گا۔[1]"

اس کا مطلب ہے کہ ابھی غُوطہ شہر کے مسلمانوں کے مرکز ہونے کا موقع نہیں آیا کہ دنیا اس وقت جنگِ عظیم میں نہیں ہے۔ اگرچہ ۲۰۱۳ء میں بشار الاسد کی حکومت نے غُوطہ میں کیمیکل ہتھیاروں سے حملے کیے تھے کہ جن پر پوری دنیا میں اسے شدید تنقید کا نشانہ گیا تھا لیکن حدیث سے مراد وہ والے حملے نہیں تھے، واللہ اعلم۔

طائفہ منصورہ، نزول عیسی اور شام

اس امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ کی مدد کا وعدہ ہے۔ ایک تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور دوسرا بلادِ شام کے اہل علم و عمل۔ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عیسی ابن مریم علیہ السلام کا نزول دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس ہو گا۔ وہ دجال کو باب لُد کے پاس قتل کریں گے۔[2]"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کا نزول بھی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کی بجائے دمشق میں ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیر و شر کا آخری معرکہ شام میں ہی لگے گا اور یہ شام ہی کی سرزمین ہو گی جو حق و باطل میں فرق کر کے اس کو چھانٹ کر رکھ دے گی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

"میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا یہاں تک قیامت قائم ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ عیسی ابن مریم علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو ان کا امیر کہے گا کہ آپ آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھائیں۔ تو عیسی ابن مریم علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں، تم میں سے بعض بعض پر امیر ہے، یہ اللہ عزوجل کی طرف

---

۱ سنن ابی داود: ۴۲۹۴
۲ سنن ابی داود: ۴۳۲۱

سے اس امت کی عزت افزائی ہوگی۔[1]"

اس روایت سے یہی معلوم ہوا کہ اہلِ حق بلادِ شام میں سمٹ جائیں گے اور غلبہ اسلام کی آخری عظیم جنگ لڑیں گے۔ پس کفر واسلام کی جنگ میں شام کے مسلمانوں کی علمی و عملی حمایت ایک دینی فریضہ ہے۔

نصیری فرقے کی تاریخ اور عقائد

عباسی دراصل اہل بیت کے نام پر اور شیعوں کے تعاون سے بنو امیہ پر غالب آئے تھے اور ان سے حکومت چھیننے میں کامیاب ہوئے تھے، لہٰذا ان کے دور میں شیعہ بہت زیادہ طاقتور ہو گئے تھے، حکومت میں ان کا اثر رسوخ بہت بڑھ گیا اور اسی دور میں شیعوں میں بہت سارے باطنی فرقوں کا ظہور ہوا۔ سب سے پہلے ۲۶۱ھ میں "قرامطہ" ظاہر ہوئے، ۲۶۸ھ میں "اسماعیلیہ" ظاہر ہوئے، اسی زمانے میں نصیریہ فرقہ بھی وجود میں آیا۔

نصیریہ کی بنیاد محمد بن نصیر النمیری متوفی ۲۷۰ھ نے رکھی تھی کہ جس کا تعلق اثنا عشریہ شیعہ فرقے سے تھا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ اہل تشیع کے بارہویں امام اور مہدی منتظر محمد بن الحسن العسکری کا دروازہ ہے۔ اہل سنت کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک اہل تشیع کے بارہویں امام کا وجود ہے ہی نہیں۔ بہر حال امامیہ شیعہ نے اس کے اس دعوے کو قبول نہ کیا اور اسے جھوٹا اور کذاب قرار دیا۔ اس کے پیروکاروں کا نام نصیریہ پڑ گیا۔ نصیریہ اور اثنا عشریہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اثنا عشریہ محمد بن نصیر النمیری کو جھوٹا اور کذاب قرار دیتے ہیں اور عثمان بن سعید العمری کو بارہویں امام کا سفیر اور نائب قرار دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ اہل تشیع کے ہاں ان کے بارہویں امام کی غیبوبت دو طرح کی ہے؛ صغری اور کبری۔ غیبوبت صغری میں امام صاحب اپنے چاہنے والوں سے نائبین کے واسطے سے رابطے میں رہے۔ ان نائبین کی تعداد چار ہے جو کہ یکے بعد دیگرے آئے۔ لیکن جن لوگوں نے بارہویں امام کی نیابت اور سفارت کا دعوی کیا ہے، وہ بیسیوں ہیں۔ ان میں سے اکثر کو شیعہ کے ہاں جھوٹا اور کذاب قرار دیا جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنی حیثیت اور مقام بنانے کی خاطر امام پر جھوٹ بولا۔

سعد بن عبد اللہ القمی نصیری فرقے کی ابتداء اور نظریات کے بارے لکھتے ہیں:

"وقالت بنبوة رجل يقال له محمد بن نصير النميري كان يدعي أنه نبي رسول،

---

۱ مسند احمد: ۱۵۱۲۷

وأن علي بن محمد العسكري أرسله وكان يقول بالتناسخ، ويغلو في أبي الحسن ويقول فيه بالربوبية ويقول بإباحة المحارم ويحلل نكاح الرجال بعضهم بعضاً في أدبارهم، ويزعم أن ذلك من التواضع والاحسان والتذلل في المفعول به، وأنه من الفاعل والمفعول به إحدى الشهوات والطيبات، وأن الله لم يحرم شيئاً من ذلك[1].

"محمد بن نصیر النمیری کا دعوی تھا کہ وہ نبی رسول ہے اور امام علی بن محمد العسکری نے اسے رسالت کے درجے پر فائز کیا ہے۔ محمد بن نصیر النمیری تناسخ ارواح کا قائل تھا اور امام محمد نقی عسکری کے بارے غلو کا شکار تھا۔ وہ انہیں ربوبیت کے درجے پر فائز کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ محرم عورتوں سے نکاح جائز ہے، اور مرد کا مرد سے بھی نکاح جائز ہے۔ اس کا گمان تھا کہ مفعول بہ کے لیے اس میں تواضع، احسان اور عاجزی کے درجات ہیں جبکہ فاعل اور مفعول کے لیے یہ ایسی خواہش اور پاکیزہ چیز ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے کسی طور حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔"

اس فرقے کے عقائد کے بارے اِن معلومات کا اظہار شیعہ عالم اور متکلم الحسن بن موسی النوبختی نے بھی کیا ہے۔ النوبختی کی وفات کے بارے بھی شیعہ رجال میں معروف قول یہی ہے کہ وہ ۳۰۱ھ سے ۳۱۰ھ کے مابین فوت ہوئے۔ یہ دونوں شیعہ علماء نصیری فرقے کے بانی ابو شعیب محمد بن نصیر النمیری کے معاصرین میں سے ہیں کیونکہ محمد بن نصیر کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی تھی۔

شام میں نصیریوں کے عروج وزوال کی داستان

نصیریہ غالی شیعوں پر مشتمل تیسری صدی ہجری کی ایک باطنی تحریک تھی کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے درجے پر فائز کیا۔ شام پر فرانسیسی قبضے کے بعد انہیں علویوں کا نام دیا گیا تاکہ ان کے ماضی پر پردہ ڈالا جاسکے۔ فرانسیسیوں نے غالب سنی اکثریت کو کنٹرول کرنے کے لیے مقامی علوی اقلیت کو خوب نوازا کہ جس کے سبب شام کی سیاست میں ان کا کردار نمایاں ہوا۔

---

۱ المقالات والفرق، محقق الدکتور محمد جواد مشکور، مرکز انتشارات علمی و فرہنگی، طبع دوم، ۱۳۶۰ھ، ص: ۱۰۰

۲ فرق الشیعہ، الحسن بن موسی النوبختی، منشورات الرضا، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۳ھ

در اصل شام کا علاقہ ۱۵۱۶ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک تقریباً چار سو سال تک سلطنتِ عثمانیہ کے پاس رہا۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے پر یہ علاقہ فرانس کی عمل داری میں دے دیا گیا اور فرانس کی عملداری یہاں ۱۹۴۶ء تک رہی۔ فرانس نے شام کو چھ ریاستوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اس میں ایک ریاست کا نام "علوی ریاست" تھا۔ اس طرح فرانسیسیوں نے سنی اکثریت کو کنٹرول کرنے کے لیے علوی اقلیت کو نوازا۔ نصیری چونکہ اقلیت میں تھے اور وہاں کے مسلمان انہیں کافر سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے تھے، تو فرانسیسیوں نے انہیں معاشرے میں قابل قبول بنانے کے لیے "علویون" کا نام دیا۔ اس طرح فرانس کے تعاون سے یہ گروہ طاقت ور ہو گیا، اور حکومتی مشینری خصوصاً فوج میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی۔

۱۹۴۶ء میں شام کو فرانس سے آزادی ملی۔ لیکن یہاں پر کوئی مستحکم حکومت نہ بن سکی۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۰ء تک پے در پے حکومتیں بدلتی رہیں۔ بعض حکومتیں محض چند ماہ ہی قائم رہ سکیں کیونکہ مخالف پارٹی، فوج میں اپنے موجود اپنے حامی گروپ کے ساتھ مل کر حکومت کا تختہ الٹ دیتیں اور چند ماہ بعد دوسرا گروپ اپنے حامی گروپ کی مدد سے اس کا چلتا کرتا۔ ۱۹۶۶ء میں ایسی ہی ایک بغاوت کے نتیجے میں بننے والی حکومت میں ایک فوجی جرنل حافظ الاسد جو نصیری فرقے سے تعلق رکھتا ہے وزیر دفاع بن جاتا ہے۔ ٹھیک چار سال بعد ۱۹۷۰ء میں وزیر دفاع نے اپنی ہی حکومت کے خلاف بغاوت کی اور حکومت کو گرا کر خود صدر بن گیا۔ پورے ملک میں حافظ الاسد کے خلاف ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں کہ ملکی صدر کے لیے مسلمان ہونا آئینی شرط ہے جبکہ حافظ الاسد مسلمان نہیں ہے۔ شامی فوج جبر و ظلم سے ان ہنگاموں کو دبا دیتی ہے۔

۱۹۸۰ء میں ایران میں خمینی انقلاب کے نتیجے میں سنی اور شام کے الاخوان المسلمون کے اکثریتی علاقوں حلب، حمص اور حماۃ میں ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں لیکن ان کو فوج کے ذریعے تشدد سے دبا دیا جاتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کی ایران-عراق جنگ میں شام، ایران کا ساتھ دیتا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں الاخوان المسلمون کی شامی شاخ حماۃ کے علاقے میں حکومت کے خلاف مظاہرے کرتی ہے تو اس کو دبانے کے لیے ہزاروں لوگ قتل کر دیے جاتے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں حافظ الاسد ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا بشار الاسد صدر بنا دیا جاتا ہے۔ بشار الاسد کی عمر ۳۴ برس ہوتی ہے تو اس کو اقتدار میں لانے کے لیے آئین میں تبدیلی کی جاتی ہے کیونکہ آئین کے مطابق صدر کی عمر چالیس برس ہونا ضروری تھا۔[1]

---

1 درج بالا معلومات سیرین ہسٹری، بی بی سی، انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور وکی پیڈیا کی سائیٹس سے لی گئی ہیں۔

نصیریوں کا اہل سنت پر ظلم و تشدد

نصیریوں نے ۱۹۸۰ء میں دمشق میں صیدنایا کے نام سے ایک جیل قائم کی تھی کہ جسے ٹارچر سیل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس جیل میں سیاسی قیدیوں کو مار پیٹ کی جاتی، بھوکا رکھا جاتا، چاقو مارے جاتے، ہڈیاں توڑی جاتیں، بجلی کا کرنٹ لگایا جاتا، سیل میں رفع حاجت کرنے پر مجبور کیا جاتا، بے ہوش ہونے تک مار پیٹ کی جاتی، ریپ کیا جاتا، انگلیاں کاٹ دی جاتیں، قتل کر دیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔ صیدنایا جیل کی تصاویر اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر وائرل ہو رہی ہیں۔ عرب اور مغربی میڈیا کی طرف سے اس جیل کو موت کا کیمپ قرار دیا گیا ہے کہ جہاں لاکھوں کی تعداد میں سیاسی قیدیوں کو تشدد کر کے قتل کیا گیا۔ ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے مطابق یہ جیل انسانوں کا مذبح خانہ یعنی سلاٹر ہاؤس ہے۔ بی بی سی، الجزیرہ، اقوام متحدہ اور بین الاقوامی میڈیا ان ویڈیوز کو کوریج دے رہا ہے۔ یہ جیل دراصل عراق میں امریکی ابو غریب جیل، گوانتاناموبے جیل اور جرمنی میں نازیوں کی جیلوں کی ایک کڑی اور مثال ہے۔ ایک ویڈیو وائرل ہے کہ شامی پائلٹ راغید الطیاری کو ۱۹۸۲ء میں قید کیا گیا تھا اور ۴۳ برس قید رکھا گیا تھا کہ انہوں نے حماۃ کے نہتے عوام پر بمباری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۸ء تک تقریباً تیس ہزار افراد اس جیل میں تشدد کر کے مار دیے گئے۔ ایسی کئی اور بھی جیلیں موجود ہیں۔

نصیری حکومت کے خاتمے کے اسباب

۲۰۱۱ء میں عرب بہار کے نتیجے میں شام بھی متاثر ہوتا ہے اور آمریت کے خلاف ایک بار پھر مظاہرے شروع ہو گئے۔ جمہوریت کے حق میں مظاہروں کی وجہ سے پانچ لاکھ لوگ مارے گئے۔ یہاں سے شامی سنی انقلاب کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

نصیریوں کی حکومت چونکہ ایران، لبنان کی حزب اللہ اور روس کے تعاون اور ان کی پشت پناہی کے سبب زبردست ظلم و ستم کی بنیاد پر قائم تھی۔ اکتوبر ۲۰۲۴ء میں جب اسرائیل نے غزہ پر حملہ کیا، اور تقریباً پندرہ ماہ تک چلتی رہی ہے، اس دوران اسرائیل نے لبنان کی شیعہ تنظیم حزب اللہ کی بنیادی قیادت ختم کر دی۔ ایران کے ساتھ بھی اس کی شیڈو وار چل رہی ہے کہ جس کے نتیجے میں اس کے کئی ایک سیاستدان اور جرنیل کام آ چکے ہیں جس سے ایران، اسرائیل کے دباؤ میں ہے۔ ان حالات میں ایران کے لیے شام میں نصیری حکومت کی مدد کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

نصیریوں کا تیسرا بڑا حمایتی روس تھا کہ جو وہاں اپنے جنگی جہازوں سے بمباری بھی کرتا تھا۔ وہ بھی بری طرح یوکرین کی جنگ میں پھنس چکا ہے۔ اب وہ نہ اس سے نکلی جا رہی ہے اور نہ ہی اگلی جا رہی ہے۔ امریکی، برطانوی

اور یوکرین کے ذرائع کے مطابق اس جنگ میں ابھی تک روس کے ساڑھے سات لاکھ فوجی مارے جا چکے ہیں۔

قلیل ترین وقت میں اس قدر عظیم فتح کے اسباب و عوامل پر لوگ مختلف تبصرے کر رہے ہیں، ہمارے نزدیک اصل سبب تو اللہ کی مدد اور نصرت ہی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ کچھ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس میں ترکی کا کردار اہم ہے۔ ہماری نظر میں وہ کردار ثانوی ہے کہ ترکی کی حمایت تو پہلے سے ہی تھی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شام میں نصیری حکومت کے اتحادی مثلاً لبنان، ایران اور روس کا اپنی جنگوں میں الجھ جانا اور بشار الاسد کی مدد نہ کر پانے کے سبب، نصیریوں سے اکیلے اس جنگ کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں ہو پایا کہ پہلے بھی وہ انہی کے سہارے ہی یہ جنگ لڑ رہے تھے۔ صورت حال یہ ہے کہ لبنان اس وقت اسرائیل کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہے اور شیعہ جماعت حزب اللہ کی تقریباً تمام بڑی قیادت ماری جا چکی ہے۔

شامی انقلاب اور ہیئۃ تحریر الشام

عالمی حالات جب نصیری حکومت کے خلاف ہوئے اور وہ خارجی تعاون سے محروم ہو گئی تو وہاں کے مجاہدین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جہادی تنظیموں کے اتحاد (ہیئۃ تحریر الشام) نے نومبر ۲۰۲۴ء میں غاصب حکومت کے خلاف اقدام شروع کر دیا اور دو ہفتوں سے بھی کم عرصے میں اس کا تختہ الٹ دیا۔

جب مجاہدین نے باضابطہ طور دمشق کی فتح کا اعلان کر دیا تو ان کے سربراہ ابو محمد الجولانی نے کمال دانشمندی سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا کہ ملکی نظم و نسق کو فی الحال نہیں چھیڑا جائے گا تاکہ شہری زندگی کے معاملات درہم برہم نہ ہوں۔ انہوں نے سرکاری ملازمین کو وزیر اعظم محمد الجلالی کے انتظامی احکامات کو ماننے کی تاکید کی تاکہ عوام کی روزمرہ کی زندگی متاثر نہ ہو۔ عورتوں کے نقاب کے معاملے میں انہوں نے یہ بیان دیا کہ ہم عورتوں کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانپ کر رکھیں لیکن کسی کو نقاب پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

۳۰ دسمبر ۲۰۲۴ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں احمد الشرع ابو محمد الجولانی نے کہا کہ ملک میں نئے آئین کی تیاری میں تین سال جبکہ انتخابات کے انعقاد میں چار سال لگ سکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی بھی مناسب انتخابات کے لیے جامع مردم شماری کا ہونا ضروری ہے اور یہ وقت طلب کام ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ قومی مکالمہ کانفرنس کے ذریعے معاشرے کے مختلف اجزاء اور گروہوں کو جمع کیا جائے گا۔ مظاہروں کے بارے انہوں نے کہا کہ یہ عوام کا بنیادی حق ہے بشرطیکہ اداروں کا نقصان نہ ہو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسلحہ صرف شامی فوج کے پاس ہونا چاہیے اور دیگر مسلح گروپوں سے اسلحہ لے لیا جائے گا اور اسلحہ جمع کروانے کے

لیے ان کو تیار کیا جائے گا۔ ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ ہیئۃ تحریر الشام کو بھی تحلیل کر دیا جائے گا اور اس کا اعلان قومی مکالمہ کانفرنس میں کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سعودی عرب ایک اہم اسلامی ملک ہے اور شام اس کے تعاون کا خواہشمند ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ شام کو اپنی تعمیر اور ترقی کے لیے سعودی عرب کے تجربے کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شام میں ایران کا چالیس سالہ منصوبہ گیارہ دنوں میں منہدم ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایرانی انقلاب کا منصوبہ فرقہ وارانہ فسادات اور جنگوں کا باعث بنا اور ایرانی انقلاب سے اس خطے پر بہت منفی اثرات مرتب ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل اب شام میں داخل ہونے کے لیے پر تول رہا ہے اور ایران بھی اس میں رغبت رکھتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایران کو اب فرقہ وارانہ فسادات سے نکل کر شامی عوام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ ایران کی اپنی آبادی کا ایک بڑا حصہ اب خطے میں ایران کے مثبت کردار کا حامی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ایران سے ایسے تعلقات چاہتے ہیں کہ جس میں شام کی خود مختاری پر حرف نہ آئے۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ امریکہ کی نئی قیادت شام سے پابندیاں اٹھا لے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ روس، شام سے اس حال میں نکلے کہ دمشق اور ماسکو کے تعلقات خراب نہ ہوں۔

ایرانی اور لبنانی شیعہ علماء نے پچھلے ۱۲ سال سے سیدہ زینب بنت علی رحمہا اللہ کے مزار کو بچانے کے نام پر دنیا بھر سے حفاظتِ حرم کے نعرہ پر شیعہ نوجوان اکھٹے کیے اور زینبیون بریگیڈ بنا کر ان کو لڑنے کے لیے شام بھیج دیا تھا۔ سیدہ زینب رحمہا اللہ کا مزار دنیا میں تین جگہ مشہور ہے جن میں سے مصر و شام کے بارے کوئی صحیح روایت موجود نہیں اور درست بات یہ ہے کہ سیدہ زینب رحمہا اللہ دراصل مدینہ میں مدفون ہیں۔ خیر، حال ہی میں شام کے تین شیعہ علماء کی ویڈیو وائرل ہوئی کہ سیدہ زینب رحمہا اللہ کا شام میں مزار کھلا ہے اور زائرین اس کی زیارت کر سکتے ہیں لہذا کسی قسم کی افواہوں پر دھیان نہ کیا جائے۔

شامی انقلاب اور کرنے کا کام

سب سے پہلے تو ہم سب فتنوں کے دور سے متعلق دینی نصوص کے متون اور شام کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ علماء خاص طور عالمی میڈیا اور خبروں کو اپنے مطالعے میں رکھیں۔ دوسرا ہر خاص و عام اپنی اور امت مسلمہ کی کامیابی و کامرانی کے لیے دعا کا اہتمام کرے۔ تیسرا شام اور اہل شام کی مالی اور اخلاقی مدد کریں۔ اور چوتھا جہادی اور انقلابی تحریکوں کو چاہیے کہ شامی حکومت کو ہر اعتبار سے اسپورٹ کریں اور ان کے مدمقابل اب مزید کسی بغاوت کے پیدا ہونے یا کرنے کے راستے ہموار کر کے ریاست کو کمزور نہ کریں۔

محدث دوراں شیخ الحدیث حافظ

عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ کی سوانح حیات

حافظ زبیر شاہین اعظمی

شیخ المشائخ استاذی المکرم حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ بھی دار لفناء سے دار البقاء کی طرف رخصت ہوئے، منگل کی شام نماز مغرب کے بعد دوستوں کے ساتھ مقامی ریستوران میں موجود تھا کہ موبائل کی سکرین پر شیخ الحدیث عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ کی وفات کی خبر دیکھنے کو ملی ایک بار تو نظر انداز کرنا چاہا کہ یہ بھی دوپہر کی خبر کی طرح غلط فہمی پر مبنی ہو سکتی ہے مگر یہ خبر جامعہ سلفیہ کے ایک ذمہ دار ساتھی کی طرف سے تھی تو فوراً کچھ دوستوں سے رابطے پر اس کی تصدیق ہو گئی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کا کلمہ جاری ہوا اور دماغ حضرت الشیخ کی یادوں میں ڈوب گیا۔

میری شادی کے دن طے ہوئے تو میری خواہش تھی میرا نکاح میرے بڑے شیخ شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ پڑھائیں گے، دعوت نامہ تو باقاعدہ پہلے ارسال کر چکا تھا اور پھر نکاح کے لیے حضرت الشیخ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ سے درخواست کی تو حضرت الاستاذ نے شفقت فرماتے ہوئے فرمایا او شریف آدمی (یہ ہمارے شیخ محترم کا تکیہ کلام تھا) توں ہفتے دا دن رکھیا اے تے میں عام طور تے سبق چھڈ دا نئیں پر تیری خوشی دا موقع اے تے میں آجاواں گا ان شاء اللہ (تو نے ہفتہ کا دن رکھا ہے، میں عام طور پر سبق نہیں چھوڑتا، لیکن تیری خوشی کے لیے آجاؤں گا)۔

محسن و مربی استاذی المکرم حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ کو خبر دی کے استاذی المکرم نے حامی بھر لی ہے تو آپ ساتھ تشریف لے آئیں تو سعادت مندی ہو گی۔

حضرت الشیخ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ وقت کے انتہائی پابند تھے اور ہمارے ہاں عام طور پر شادی بیاہ کے موقع پر وقت کا حساب کتاب ہی کوئی نہیں ہوتا، جنہیں مسجد میں پانچ منٹ بیٹھنا زیادہ مشکل لگتا ہے وہ بھی شادی بیاہ کے فنکشن میں تین تین گھنٹے آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔

وقت کی پابندی سے مجھے یاد آیا کہ ایک بار جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں سابق وزیر اعظم عمران خان تشریف

لائے تو اسی دوران مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا مہمان کچھ لیٹ تھے تو شیخ علوی رحمہ اللہ خود مصلی امامت پر تشریف لائے اور نماز شروع کروادی۔

حضرت الاستاذ کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے شادی کی تقریب میں پابندی وقت کا خاص خیال رکھا۔ حضرت الشیخ نے نکاح کے موقع پر ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں توحید اور سنت کے ساتھ تمسک پر بڑا زور دیا بہت ساری دعاؤں سے نوازا۔

پھر فرمانے لگے شریف آدمی! میں کسی ایسی شادی میں نہیں جاتا جس کا دعوت نامہ انگلش زبان میں ہو چاہے وہ دعوت جامعہ کی دیوار کے ساتھ ہی کا کیوں نہ ہو، مگر تیرے نکاح پر اس کے باوجود میں آگیا ہوں۔ پھر نصیحت کی کہ ہمیں انگریزوں اور غیر مسلموں سے کبھی مرعوب نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمیں ہر موقع پر اپنی زبان اپنے لباس اپنے وطن اور اپنے دین کو ترجیح دینی چاہیئے۔

حضرت شیخ الحدیث عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ متعدد بار ہماری دعوت پر ضلع لیہ میں دعوتی پروگراموں میں تشریف لاتے رہے سو ہمیں خدمت کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ الحمدللہ علی ذالک

فراغت کے بعد ایک بار دوستوں کے ہمراہ جامعہ میں جانا ہوا، شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے نکل رہے تھے ملاقات ہوئی تو ہاتھ پکڑ کے لائبریری کی طرف چل پڑے اور ساتھ ایک لڑکے کو پیسے نکال کر دے رہے تھے کہ "او دو کلو دہی وڈی بوتل" لیکر آؤ۔ ہم احتراماً انکار کر رہے تھے تو فرمانے لگے شریف آدمی! ہم جاتے ہیں تو آپ اتنا احترام کرتے ہیں، اب بوتل لازمی پی کر جاؤ۔

شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ علم کا ایسا سمندر تھے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں تھا۔ جب کلاس میں درس بخاری ارشاد فرماتے تو ایک ایک مسئلہ میں کتنے کتنے اقوال اور اس سے متعلقہ کئی کتابوں کا ذکر فرماتے اور پھر اس پر اپنا دلائل کے ساتھ قوی تبصرہ فرماتے۔ ہمارے ایک شیخ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ الحدیث صاحب سے جب کسی موضوع پر گفتگو کروانی ہو تو ان کو قبل از وقت نہیں بتانا چاہیئے بلکہ انہیں عین موقع پر گفتگو کرنے کا کہنا چاہیے وگرنہ شیخ صاحب کے علم کو سمیٹنا اور سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

عمل کے لحاظ سے شیخ الحدیث علوی رحمہ اللہ کی اس دور میں مثال ملنا بہت مشکل ہے، صوم و صلوٰۃ کے انتہا درجہ پابند تھے اور دوسروں سے بھی اسی پابندی کا جذبہ رکھتے تھے۔ کرونا وائرس کے دور میں جب بڑے بڑے علماء بھی محتاط ہو گئے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ باجماعت نماز کا بلا فاصلہ پابندی سے اہتمام کرتے رہے اور تو کل اس درجے کا ہر ایک سے بلا جھجک مصافحہ کر لیتے تھے۔

استاذ گرامی شیخ فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ خود شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے لیے کرسی باہر نکال کے رکھتے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بیٹھنے تک ان کے احترام میں کھڑے رہتے تھے اہل علم کی تکریم کا یہ بھی ایک روح پرور منظر ہوتا تھا۔ فضیلۃ الشیخ پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ کے بقول خود عالم ہو کر دوسرے علماء کا احترام کرنا کوئی شیخ فاروق یزدانی حفظہ اللہ سے سیکھے۔ وہاں اکثر شیخ محترم کی زیارت ہوتی تھی مگر ہم نے شیخ محترم کی زبان سے کبھی کسی کی چغلی اور غیبت نہیں سنی تھی۔ دوسرے ساتھیوں کی بھی یہی شہادت ہے۔

شیخ محترم کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بلند پایہ علمی منصب و مقام سے نوازا تھا مگر اس کے باوجود بڑے منکسر المزاج اور متواضع تھے، اسکا اندازہ اس بات لگائیں کہ تحفۃ المسلم کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ

"اہل السنہ کے مختلف مکاتب فکر نے اس کی شرح میں طبع آزمائی کی ہے اور کی جارہی ہے اس کم علم اور کم سواد نے بھی خدمت حدیث کے جذبہ کے تحت صحیح مسلم کی اردو زبان میں شرح پیش کرنے کی جسارت کی ہے جو محض اللہ تعالیٰ کا کرم و احسان ہے۔ اگر من آنم کہ من دانم
اس میں جو کچھ صحیح ہے وہ اللہ کی توفیق سے ہے اور اہل علم کی خوشہ چینی ہے، جہاں کوئی غلط بات ہے وہ میرے علم کی کوتاہی اور نقص ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور ناظرین باتمکین سے عرض ہے وہ نشان دہی فرما کر اجر و ثواب حاصل کریں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ میں نے اس شرح میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا ہے اور یہ سب کچھ مختلف شروحات سے ماخوذ ہے میں نے تو محض مختلف پھولوں سے گلدستہ سجایا ہے[1]۔"

مزید ایک جگہ لکھتے ہیں:

"آخر میں سب سے پہلے اپنے دیرینہ دوست اور محترم ساتھی فضیلۃ الشیخ حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مکمل کتاب پر انتہائی جانفشانی اور اخلاص سے نظر ثانی فرمائی اور انتہائی باریک بینی اور دقیقہ رسی سے کام لیتے ہوئے بعض لغزشوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی کی جن کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جزاک اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ[2]۔"

حضرت شیخ الحدیث حافظ عبد العزیز علوی رحمہ اللہ کی طبیعت میں بڑی وسعت اور اعتدال تھا۔

---

۱ تحفۃ المسلم، مقدمہ: ص ۱۹
۲ تحفۃ المسلم، مقدمہ: ص ۲۰

محدث العصر حضرت العلام مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ حضرت شیخ الحدیث کے بارے لکھتے ہیں کہ

"انہیں یہ امتیاز و اختصاص حاصل ہے کہ جہاں انھوں نے اہل حدیث مکتب فکر کے شیوخ الحدیث مثلاً شیخ العرب والعجم حضرت حافظ محمد گوندلوی و حضرت مولانا محمد عبداللہ محدث و حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح و حضرت مولانا عبدالغفار حسن رحمہم اللہ۔ جیسے اعیان سے شرف تلمذ حاصل کیا وہاں انھوں نے دیوبندی مکتب فکر کے معروف محقق و مصنف حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی، شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور بریلوی مکتب فکر کے غزالی دوراں مولانا احمد سعید کاظمی مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ انوار العلوم ملتان سے بھی کسب فیض کا موقع ملا، یوں تینوں مکاتب فکر کے طرزِ استدلال و استنباط کو جاننے کے مواقع میسر آئے۔ فکر و نظر میں وسعت و اعتدال ان کا طرہ امتیاز ہے۔"[1]

ایک مقام پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں کہ:

"تمام اہل علم چاہے ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو ان کے علم کی قدر کرتے ہوئے ان کے لیئے دعائیہ کلمات کا لحاظ رکھا ہے اور کسی قسم کا بخل نہیں روا رکھا۔"[2]

مسلکی جماعتوں کے معاملے میں بھی استاذی المکرم کا دل ہر قسم کی حزبیت اور عصبیت سے پاک تھا۔ اسی لیے تو وہ تمام جماعتوں کے بڑے بڑے پروگراموں میں گفتگو کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ اس مادیت پرستی کے دور میں بھی تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے جذبے سے سرشار تھے (وگرنہ آج کل تو لوگوں نے اسے بڑا منافع بخش پیشہ بنالیا ہے)۔ آپ کو جب بتلایا گیا کہ آپ کی مسلم کی شرح انڈیا میں بھی شائع ہو چکی ہے تو بجائے اس پر ناراض ہونے کے بغیر اجازت کیوں شائع کی بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا زیادہ لوگوں تک پہنچے گی اور میرے لیے صدقہ جاریہ بنے گی۔

ہر وقت ذکر و فکر کی حالت میں رہتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں وہ باقاعدہ ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے تھے، بقول مدیر التعلیم جامعہ سلفیہ استاذی المکرم پروفیسر چوہدری یسین ظفر حفظہ اللہ: جامعہ سلفیہ میں ایک شخصیت ایسی تھی جو ہماری بھی اصلاح کرتی تھی اور ہم ہر وقت محتاط رہتے تھے تمسک بالکتاب والسنہ میں وہ ایک مثالی شخصیت تھی جو آج ہم سے جدا ہو چکی ہے۔ ہم نے حضرت الشیخ سے باقاعدہ پڑھا نہیں تھا مگر ہم انکا احترام والد کی طرح کرتے تھے۔

---

۱ تحفۃ المسلم: ۱/۳۲۔ ۲ تحفۃ المسلم ج ۱ ص ۲۰۔

جب شیخ محترم کی ناسازی طبع کے سبب کچھ کمزور آگئی تو آپ کی سہولت کی خاطر جامعہ نے صحیح بخاری کی دوسری جلد کی تدریسی استاذی المکرم شیخ الحدیث یونس بٹ رحمہ اللہ کے حوالے کر دی گئی، لیکن ہم نے دیکھا کہ آپ صحیح بخاری کی آخری حدیث چھوڑ دیتے تھے، طلباء استفسار کرتے تو فرماتے شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ علم و فضل کے لحاظ سے ہم سب کے بڑے ہیں اور آخری حدیث شیخ الحدیث صاحب پڑھائیں گے۔

بلاشبہ مادر علمی جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ اساتذہ اور طلبہ سبھی دل و جان سے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا احترام کرتے تھے۔ کبھی کوئی پریشانی ہوتی تو استاذی المکرم شیخ یونس بٹ رحمہ اللہ فرمایا کرتے کہ پریشان کیوں ہوتے ہو حضرت شیخ الحدیث صاحب سے دعا کراؤ اللہ تعالیٰ آسانیاں فرمائے گا۔

پیارے دوست حافظ نعیم عباس ساقی نے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے جنازے میں جاتے ہوئے راستے میں یہ واقعہ سنایا کہ ہمارے ایک کلاس فیلو کی شادی کو پانچ چھ سال کا عرصہ بیت چکا تھا اور وہ اولاد سے محروم تھے کسی دوست نے توجہ دلائی تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا دم کروایا اور دعا کی درخواست بھی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اولاد کی نعمت سے نواز دیا شیخ علوی رحمہ اللہ واقعی ہی مستجاب الدعوات ہستی تھے۔

شیخنا الکبیر حضرت حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی رحمہ اللہ تمام علوم و فنون میں ید طولی رکھتے تھے ہمارے گمان کے مطابق علم و عمل کے اعتبار سے ان کا شمار سابقون الاولون میں ہو گا ان شاء اللہ

اپنے ساتھیوں اور حضرت شیخ الحدیث علوی رحمہ اللہ کے روحانی بیٹوں کے ساتھ حضرت الاستاذ کے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تو علماء و طلاب علوم نبوت کی ایک بہت بڑی تعداد وقت کے محدث کو رخصت کرنے کے لیے موجود تھی۔ چہرہ مبارک دیکھا تو لبوں پر بے ساختہ یہ حدیث مبارکہ جاری ہو گئی:

نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ[1].

چہرے کی تازگی اور نور بتا رہا تھا کہ واقعی نصف صدی سے زائد خدمت حدیث کرنے والے محدث کا اس شان سے ہی جانا بنتا ہے۔ حضرت الاستاذ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی کی شروحات سمیت بیسیوں کتب اور ہزاروں شاگرد صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔

---

1 سنن ابی داود: ۳۶۶۰

اک شجر سایہ دار تھا، نہ رہا!

(پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ)

حبیب اللہ قمر

پروفیسر حافظ عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ بھی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ ان کی وفات پر اسلام اور پاکستان سے محبت رکھنے والوں کے دل غمگین اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ دلوں پر اداسی کی ایک چادر سی تن گئی ہے۔ بلاشبہ وہ ایسے خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جو دنیا میں اس طریقے سے زندگی گزارتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے ایک مثال بن جاتے ہیں۔ آج ہر کسی کی زبان پر ان کی دینی خدمات اور جرأت مندانہ کردار کے تذکرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موت ایسی قابل رشک دی کہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ وہ جب تک زندہ تھے ہر مجلس کی جان ہوا کرتے تھے۔ لوگ انہیں سننا چاہتے تھے۔ وہ تنظیمی و تحریکی سرگرمیوں میں سستی و غفلت پر سرزنش بھی کرتے تو زبان سے نکلے لفظوں کے موتی اتنے خوب صورت ہوتے کہ سننے والوں کی طبیعت پر گراں نہ گزرتا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت، مظلوم مسلمانوں کی عزتوں و حقوق کے تحفظ اور امت کی رہنمائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ دلوں کو جوڑنے اور باہم اتحاد و یکجہتی کا ماحول پیدا کرنے والے عظیم رہنما تھے۔ ان کی باتیں علم و حکمت سے آراستہ ہوتیں تو کردار میں عاجزی و انکساری کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ وہ تحریک پاکستان کے سرکردہ لیڈر اور معروف عالم دین پروفیسر حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جو قیام پاکستان کے وقت اپنے گھر بار، زمینیں اور جائیدادیں وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر محض اللہ کی رضا اور اسلام کی محبت میں ہجرت کر کے پاکستان پہنچا۔ حافظ صاحب نے اولاد کی تربیت کرتے وقت بچپن سے ہی ان کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کر دی تھی کہ دین کی خاطر ہر قربانی دے دینا، کسی قسم کی مداہنت کا شکار نہ ہونا۔ حافظ عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ نے اپنے والد کے اس سبق کو خوب اچھی طرح یاد کیا اور آخر دم تک نبھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

اللہ تعالیٰ نے مکی صاحب کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، کہ انہوں نے محض سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ جو کہ ایس ای کالج بہاول پور میں پروفیسر تھے، نے ایک استاد کی

ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ ان کے صاحبزادے کو پڑھا دیا کریں۔ پروفیسر حافظ محمد سعید نے اپنے ماموں حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی، بتاتے ہیں کہ میں دوسرے بچوں کی طرح سکول میں جا کر پڑھا لیکن عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ نے گھر میں پڑھ کر ہی میرے ساتھ میٹرک کا امتحان دیا اور اچھے نمبروں میں پاس ہو گئے۔ اس کے بعد پھر کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے تک پروفیسر حافظ محمد سعید اور حافظ عبدالرحمن مکی ساتھ ساتھ رہے۔ مکی صاحب اسلامی جمعیت طلباء کے بہت فعال اور متحرک رکن تھے۔ جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا مودودی رحمہ اللہ ان کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے اور وہ بھی ملاقات کے لیے اکثر ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ بنگلہ دیش نامنظور تحریک چلی تو پروفیسر حافظ محمد سعید اور مکی صاحب دونوں نے اس میں سرگرم کردار ادا کیا۔ بھٹو دور میں تحریک نظام مصطفی شروع ہوئی تو اس میں بھی وہ پیش پیش رہے۔ وہ اپنے جرأت مندانہ کردار کی بدولت وقت کے حکمرانوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں جھوٹے مقدمہ میں گرفتار کر کے بدنام زمانہ شاہی قلعہ کے ٹارچر سیل میں ڈال دیا گیا۔ اس دوران ان پر انتہائی بہیمانہ تشدد کیا گیا، رولر پھیرے گئے اور پلاس سے ناخن کھینچے جاتے لیکن ظلم کرنے والے ایک پل کے لیے بھی ان کے پایہ استقامت میں لحہ بھر کے لیے بھی لغزش نہیں آئی۔ مکی صاحب اپنی زندگی کے چھپے گوشوں سے پردہ اٹھاتے تو ان کی باتیں سن کر بندہ ششدر رہ جاتا کہ انہیں اپنی زندگی میں کس قدر آزمائشوں کا سامنا رہا ہے۔ قید وبند کی صعوبتوں کے دوران ایک مرتبہ سرکاری وکیل عدالت میں بڑے تکبر سے کہنے لگا کہ میرے ہوتے ہوئے تم جیل سے باہر نہیں آسکتے۔ اس پر مکی صاحب نے بھری عدالت میں اس کی خوب خبر لی اور کہا کہ جب کیس زیر سماعت ہے تو تم میرا فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہو۔ بہت جلد میرا اللہ مجھے چھڑائے گا اور تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے، کچھ عرصہ بعد بھٹو کا تختہ الٹ گیا اور عدالت نے بھی کیس کو جھوٹا قرار دے کر انہیں رہا کر دیا۔ اس میں مولانا مودودی رحمہ اللہ کی بھی کوششیں بھی شامل تھیں۔

حافظ عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد یونیورسٹی میں بطور لیکچرر بھرتی ہو گئے۔ یہ جنرل ضیاء الحق کا دور تھا اور وہ ملک میں مختلف حوالے سے اصلاحات کی کوششیں کر رہے تھے۔ اس دوران جنرل ضیاء نے علماء کی مشاورت سے فیصلہ کیا کہ پاکستان میں قانون اور شریعہ کے ماہر ایسے علماء اور محقق تیار ہونے چاہئیں جو ملک میں نفاذ اسلام کے حوالے سے کردار ادا کر سکیں۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے سعودی عرب بھجوانے کا بھی فیصلہ ہوا جن میں مکی صاحب کا نام بھی شامل تھا۔ والد محترم کو پتا چلا تو پہلے تو انہوں نے انکار کیا کہ وہ بیٹے کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن جنرل ضیاء الحق جنہیں وہ دعوتی واصلاحی خطوط لکھتے

رہتے تھے، انہوں نے علماء کے ذریعے پیغام بھیجا اور بعض دوسرے احباب نے بھی اصرار کیا تو حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ اس کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یوں عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ سعودی عرب کی ام القریٰ یونیورسٹی میں پڑھنے لگے اور علم الحدیث میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ وہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور ان کا بیشتر وقت ان کے دارالافتاء میں گزرتا تھا۔ اسی عرصہ میں جنرل ضیاء الحق وفات پا گئے تو مکی صاحب بھی سعودی عرب میں دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ کاروباری سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

حضرت حافظ صاحب کو اس بات کی فکر رہتی تھی کہ ان کا بیٹا جلسوں اور عوامی اجتماعات سے خطاب میں دلچسپی کم لیتا ہے۔ وہ بہت دعائیں کرتے کہ میرے بیٹے سے دین کا کام لے، اس کا سینہ فراخ کر دے اور زبان و بیان میں قوت پیدا کر دے۔ پھر آسمان والے رب نے ان کی یہ دعا اس انداز میں قبول کی کہ اسی بیٹے کو خطابت کا ایسا شہسوار بنایا کہ دنیا ان کی گفتگو سننے کو ترستی تھی۔ مکی صاحب جب تقریر کرتے تو گھنٹوں بولتے چلے جاتے اور لمحہ بھر کے لیے بھی چہرے پر تھکاوٹ کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ آپ اردو کی طرح عربی اور انگریزی بھی بہت روانی کے ساتھ بول لیتے تھے۔ عربی زبان میں ان کی گفتگو اتنی شان دار ہوتی کہ عرب لوگ بھی سن کر رشک کرتے تھے۔ جب تک وہاں پابندیوں کے حالات نہیں تھے ان کے پروگرام مختلف عرب ملکوں میں ہوتے اور وہ ہزاروں کے مجمع سے خطاب کیا کرتے تھے۔ میں نے اکثر اہل علم کی زبان سے یہ بات سنی ہے کہ شورش کاشمیری اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کے بعد آج کے دور میں سحر انگیز خطابت کسی میں دیکھنے کو ملی ہے تو وہ حافظ عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ ہیں۔ وہ اپنی تقریر میں قرآن و سنت کے علاوہ دنیا بھر کی تاریخ سے حوالوں کے ڈھیر لگا دیتے تھے۔ وہ جس موضوع پر گفتگو کرتے علم کے موتی بکھیر دیتے اور سامعین میں سے ہر کوئی ہمہ تن گوش ہو جاتا۔ کتاب و سنت اور عصر حاضر کے علوم و فنون پر اتنی گہری نظر رکھنے والا اس وقت کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔ جہاد کے موضوع پر ان کے خطابات خاص طور پر دلوں کو گرما دینے والے ہوتے۔ ہزاروں نوجوان ان کی تقریریں سن کر عملی میدان میں اترے اور ایسی لازوال قربانیاں پیش کیں کہ جنہیں تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

حافظ عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد سے بہت محبت رکھتے تھے۔ نوے کی دہائی میں جب کشمیر کی تحریک نے عروج پکڑا اور حافظ محمد سعید صاحب نے سعودی عرب جا کر انہیں دعوت و جہاد کی تحریک میں حصہ لینے کے لیے پاکستان آنے کا کہا تو انہوں نے فوراً حامی بھر لی۔ سعودی عرب میں رہتے ہوئے انہیں ہر قسم کی آسائشیں اور سہولیات میسر تھیں لیکن دین اور جہاد کی خاطر محض دو سے تین دن میں اپنے

معاملات سمیٹے اور اہل خانہ کے ہمراہ پاکستان آ گئے۔ وطن واپس لوٹنے کے بعد ایک دن کے لیے بھی وہ آرام اور سکون سے نہیں بیٹھے اور اپنی پوری زندگی کشمیر کی آزادی اور تحریک دعوت وجہاد کے لیے کھپا دی۔

ان کے دل میں جہاد کی تڑپ اتنی تھی کہ کہا کرتے تھے کاش میرے ہاتھ سے میدان جہاد میں ایک ہندو فوجی مارا جائے اور میں اپنے رب سے کہہ سکوں کہ میں نے فلاں غاصب ہندوستانی فوجی کو قتل کیا ہے جبکہ دوسری طرف اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دل میں نرمی بھی انتہا درجے کی تھی۔ کشمیر کے شہداء کے جنازے پڑھاتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ کشمیریوں سے یہی والہانہ محبت اور لگاؤ تھا کہ ان کی وفات پر پورے مقبوضہ کشمیر میں غم کی کیفیت رہی اور حریت قیادت سمیت سبھی کشمیری قائدین نے تعزیتی پیغامات میں کہا کہ آج ہم کشمیریوں کے حق میں بات کرنے والی ایک مضبوط اور توانا آواز سے محروم ہو گئے ہیں۔

امریکی جیل گوانتاناموبے میں قرآن مجید کی بے حرمتی ہوئی تو عبدالرحمن مکی تڑپ اٹھے اور پروفیسر حافظ محمد سعید کی ہدایات پر مولانا امیر حمزہ اور قاری محمد یعقوب شیخ کے ہمراہ فوری ملک گیر تحریک منظم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مغرب میں گستاخانہ خاکے شائع ہوئے تو تحریک حرمت قرآن کی طرح تحریک حرمت رسولؐ میں بھی پیش پیش رہے۔ تحریک تحفظ قبلہ اول، دفاع پاکستان کونسل اور سرزمین حرمین شریفین کے تحفظ کے لیے چلائی گئی تحریکوں میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا اور فتنہ تکفیر اور خارجیت کے رد کے لیے ملک کے کونے کونے میں جا کر لوگوں کی تربیت کی کہ مسلمانوں سے لڑائی تو دور کی بات ان کی طرف ہتھیار کا رخ کرنا بھی اسلام میں حرام ہے۔ ان کی تحریکی سرگرمیوں پر مبنی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کے لیے مکمل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہاں میں صرف اتنا کہوں گا کہ صحت کو درپیش مسائل کے باوجود انھوں نے ملک کا کوئی کونہ نہیں چھوڑا جہاں وہ دعوت دین کی آواز بلند کرنے کے لیے نہ پہنچے ہوں۔ ایک ایسا شخص جسے ڈاکٹروں نے صاف کہہ دیا ہو کہ آپ کے دل کا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ ہم بائی پاس نہیں کر سکتے، دوائیوں کے ذریعے ہی علاج جاری رکھنا پڑے گا، اس نے اپنی زندگی میں کئی برسوں تک کبھی اپنی بیماری کو محسوس تک نہیں ہونے دیا۔ مکی صاحب صبر واستقامت کا پہاڑ ثابت ہوئے۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی جوانی کے ایام میں کینسر کی وجہ سے فوت ہوئے۔ دوسرا بیٹا کینسر کے سبب شوکت خانم ہسپتال میں داخل ہوا تو میں اور برادرم یحییٰ مجاہد ایک جگہ پر ان کے ساتھ موجود تھے۔ وہاں ایک بھائی نے ان سے کہہ دیا کہ آج کل تو آپ بیٹے کی بیماری کی وجہ سے بہت مصروف ہوں گے۔ وہ کہنے لگے میں نے ساتھیوں سے سختی سے کہا ہے کہ ملک میں کسی جگہ بھی طے کردہ میرا کوئی پروگرام کینسل نہیں کرنا، میں ہر جگہ جاؤں گا اور خطاب کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے پروگراموں

پر جانے سے جتنی زیادہ کتاب وسنت اور جہاد کی آواز بلند ہو گی میرا اللہ ہم پر رحم کرے گا اور میرے بیٹے کے لیے بھی آسانی پیدا کرے گا۔ زندگی کے آخری ایام میں بھی ان کی حالت یہ تھی کہ شوگر کی وجہ سے پاؤں پر زخم آ گئے تھے اور ان سے چلا نہیں جاتا تھا لیکن وہ پاؤں پر پٹیاں باندھ کر پورے ملک میں پروگرام کر رہے تھے۔ انہی دنوں میں جب تکلیف زیادہ بڑھی تو انہیں قائل کر کے ہسپتال داخل کروایا گیا، اسی دوران ان کے پاؤں کا ایک انگوٹھا کاٹنا پڑا۔ ابھی علاج جاری تھا کہ ۲۷ دسمبر ۲۰۲۴ء جمعہ کے دن فجر کے بعد اچانک دل کی تکلیف ہوئی اور وہ قریب موجود ساتھیوں کو گواہ بنا کر کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حافظ عبدالرحمن کی رحمہ اللہ کسی ایک جماعت یا کسی مسلک کے نہیں بلکہ پوری امت کے نمائندے تھے۔ وہ تحریک دعوت وجہاد کے عظیم انقلابی رہنما تھے۔ ان کی وفات یقیناً موت العالم موت العالم کے مصداق ہے۔ ان کی نماز جنازہ ان کے بھانجے پروفیسر حافظ طلحہ سعید نے پڑھائی۔ 'گورنمنٹ ایجوکیشنل کمپلیکس تنگل ساہداں مرید کے' کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں ادا کی گئی نماز جنازہ میں جید علماء کرام، شیوخ الحدیث اور دینی مدارس کے اساتذہ و مہتمم حضرات سمیت مختلف مکاتب فکر اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ ان کی شخصیت، علم وتقویٰ اور دین کے لیے قربانیوں نے ان کے جنازے کو ایک عظیم الشان منظر بنا دیا۔ لوگ ان کے علم، اسلام وپاکستان کے لیے قربانیوں اور ان کی ثابت قدمی کو یاد کر کے زاروقطار روتے رہے۔ شدید سردی اور بارش کے موسم کے باوجود جس طرح لوگ دور دراز کے علاقوں سے سینکڑوں کلومیٹر کا سفر کر کے جنازے میں پہنچے۔ یہ منظر اس بات کی گواہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے ان کی کاوشوں اور ان کے صبر کا بہترین صلہ عطا فرمایا ہے۔ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے رب کی رضا کے لیے زندگی گزارتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے اور اس کے دنیا سے جانے کے بعد بھی عزت عطا فرماتا ہے۔ اپنے بہترین دیرینہ ساتھی کی وفات پر پروفیسر حافظ محمد سعید نے کارکنان کو خاص طور پر نصیحت کی ہے کہ یہ وقت غم کا ضرور ہے لیکن ہمیں صبر کرنا ہے اور اپنی زبان سے وہی الفاظ ادا کرنے ہیں جن سے اللہ راضی ہو۔ ہمیں عبدالرحمن کی رحمہ اللہ کی خدمات کو یاد رکھتے ہوئے اس بات کا عزم کرنا ہے کہ ہم ان کی پیش کردہ دعوت کو ملک کے کونے کونے میں پھیلائیں گے اور امت کی بھلائی کے لیے اسی اخلاص اور محنت کے ساتھ کام کریں گے جس کے لیے وہ زندگی بھر کوشاں رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبدالرحمن کی رحمہ اللہ کی دین اسلام کے لیے قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے ان کی قبر کو منور فرمائے۔ آمین۔

سفر نامہ بیت المقدس

تبصرہ نگار:-ڈاکٹر صہیب حسن دام ظلہ[1]

تالیف:-حافظ عبد الاعلیٰ درانی[2]

میرے ہاتھ میں اس وقت ایک دیدہ زیب، خوبصورت ٹائٹل کی حامل ۲۱۶ صفحات پر مشتمل وہ کتاب ہے جسے "سفر بیت المقدس" کا عنوان دیا گیا ہے۔ مولف ہیں ہمارے دوست، رفیق میدان دعوت، نامور صحافی، ادیب اور خطیب بے بدل، حافظ عبد الاعلیٰ درانی جنہوں نے ارض مقدس میں سات دن کی سرگزشت کو اپنے رہوار قلم کی جولانیوں سے ایک حسین گلدستے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مکتبہ طارق اکیڈمی (فیصل آباد) اس علمی و دعوتی کاوش کو ایک گلشن تاباں کا روپ دینے پر مبارکباد کی مستحق ہے۔

مجھے خود بھی سرزمین فلسطین جانے کا اتفاق ہوا ہے لیکن صرف تین دن کے لیے اور پھر میرے مشاہدات شہر القدس، مقام موسیٰ اور بحر میت کی ایک جھلک تک محدود رہے لیکن حافظ صاحب کا قافلہ حبرون، بیت اللحم، اریحا اور بحر مردار کے تفصیلی مشاہدے کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہا۔ مولف کتاب نے اپنے سفر نامے میں تاریخ کے جھروکوں کی اوٹ میں یوں تصویر کشی کی ہے کہ ہر مقام زیارت کی تاریخ، وہاں کے باسیوں کی روئیداد حیات اور سیاست کے لبادوں میں چھپے حوادث وواقعات منہ بولتی تصویر نظر آتے ہیں۔ آیئے اور حافظ صاحب کے ساتھ اس بابرکت سفر کی چند جھلکیاں نظر نواز کرتے جائیں:

۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء کی صبح مانچسٹر ائیر پورٹ سے اس سفر کا آغاز ہوا جس کی پہلی منزل اسرائیل کے بین الاقوامی ہوائی اڈے لُدّ کی تنگنائیوں سے گزرتے ہوئے سرزمین بیت المقدس پہنچنا تھا۔

مسجد اقصیٰ کی زیارت سے قبل حافظ صاحب نے شہر القدس کے گیارہ دروازوں، پانچ محلوں اور گردونواح کی شاہراہوں کا ایک نقشہ پیش کر دیا ہے اور پھر مسجد اقصیٰ میں قدم رکھتے ہی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے مراحل، شاہ بابل کے ہاتھوں اس کی تباہی، یہود کی بابل کی اسیری، دوبارہ واپسی، ہیکل ثانی کی تعمیر اور پھر رومی کمانڈر کے ہاتھوں اس کا گرایا جانا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

---

۱ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ سابقا

۲ فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور، خطیب بریڈفورڈ۔ برطانیہ

فتح عمری سے اسلامی دور کا آغاز ہوتا ہے اور پھر بنی اُمیہ کا ذکر ہے کہ جن کی بھرپور کوششوں سے مسجد اقصیٰ اور مسجد گنبد صخرہ کی خوبصورت عمارتیں اس قطعہ زمین پر جلوہ گر ہو سکیں۔

مسجد اقصیٰ اپنی قدامت اور اس کے پہلو میں گنبد صخرہ ایک حسین جھومر کی شکل میں اب تک مسلم وغیر مسلم سب کے لیے اپنے دامن میں ایسی کشش رکھتے ہیں کہ لوگ اس قطعہ مقدس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

حافظ صاحب نے ان دونوں کے دروبار کے مفصل تذکرے کے ساتھ مصلّی مروانی کا بھی بخوبی تعارف کروایا ہے جو اکثر زائرین کی نگاہوں سے مخفی رہتا ہے۔

گنبد صخرہ کے حوالے سے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد اور کعب الاحبار سے ان کی بات چیت اور اس سے متعلقہ روایات کی چھان بین کا حق ادا کر دیا ہے۔

حافظ صاحب نے مسجد اقصیٰ میں اپنی حاضری کا والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ وہ امام مسجد صخرہ شیخ علی العباسی اور امام مسجد اقصیٰ شیخ یوسف الزربائی، قدس زکوۃ کمیٹی کے رکن شیخ محمد الرحبی سے اپنی ملاقاتوں، ان کے برادرانہ رکھ رکھاؤ اور زائرین مسجد اقصیٰ کے لیے ان کی نیک خواہشات کا بھی بخوبی تذکرہ کرتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی بیرونی فصیل کی جالیوں سے جھلکتی قبروں میں وہ ہندوستان کے ایک عظیم سپوت، بطل راہِ حریت مولانا محمد علی جوہر کی آخری جائے استراحت کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور ایسے ہی ان تمام معزز ہستیوں کا بھی جو قبرستانِ "ماملا" کے مکین بن چکے ہیں۔ پھر ایک فلسطینی گھرانے سے ملاقات جو شہیدوں کی رسم وفا کا آئینہ دار تھا۔ پہلے دن کی مصروفیات کا اختتام حافظ صاحب کی اہلیان فلسطین سے محبت اور چاہت کا عنوان تھا۔ اگلے چھ دنوں میں حافظ صاحب کی مصروفیات جن مقامات کا احاطہ کرتی رہیں، ان کی طرف اشارہ کرتا چلا جاتا ہوں لیکن قارئین سے التماس ہے کہ وہ ان اشارات کی تفصیل سے بہرہ ور ہونے کے لیے اس دلکش سفر نامے کے اوراق خود پلٹیں۔

① جبل زیتون سے مراد کیا ہے اور اس کے دامن میں کیا کچھ سمایا ہوا ہے اور اس ضمن میں مسجد سلمان فارسی، مقام رابعہ بصری اور غار سلیمانی کے مشاہدات کا ذکر ہے۔

② کنیسۃ القیامہ اور فتح عمری سے لے کر اب تک اس کا محفوظ رہنا، مسلمانوں کی وسعت ظرفی اور رواداری کا ایک کھلا نشان ہے اور اس ضمن میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی داد و دھش، فراخ ظرفی اور انصاف پسندی کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔

③ یروشلم کا تذکرہ ہو اور اسرائیلی بربریت و سفاکی کا تذکرہ نہ ہو، ایسا ناممکن ہے۔ حافظ صاحب کے صرف سات دن کے قیام کے دوران مسجد اقصیٰ میں فائرنگ کا واقعہ پیش آجاتا ہے جس میں تین فلسطینی جام شہادت نوش کر لیتے ہیں۔

④ حبرون (الخلیل) کا سفر جس کے دوران والدہ یوسف علیہ السلام کی قبر حل حلول میں مقام یونس علیہ السلام کے دیکھنے کا ذکر ہے اور پھر شہر الخلیل، مسجد ابراہیمی کا ذکر جس کے وسط میں ایک دیوار بنا کر اسے یہود اور مسلم، دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ قبور انبیاء اور زوجات انبیاء پر دعا اور پھر مسجد الخلیل میں صلاح الدین ایوبی کے منبر کا ذکر ہے جو ابھی تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔

⑤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت بیت اللحم، مسجد عمر فاروق، بیت اللحم کے چند مقدس غار اور کئی دوسری مساجد کے احوال بتائے گئے ہیں۔

⑥ بحر مردار کے راستے میں مقام موسیٰ علیہ السلام کی زیارت، کیا یہاں واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے؟ حافظ صاحب کا تحقیقی قلم اس گتھی کو خوب سلجھا رہا ہے۔ یہ سمندر جو خود قوم لوط کی بستیاں الٹنے کی بنا پر وجود میں آیا، کیا اس کی زیارت کے لیے آیا جا سکتا ہے؟ اس فقہی مسئلہ پر بھی خامہ فرسائی کا حق ادا کیا گیا ہے۔

⑦ بحر مردار سے واپسی کے سفر میں اریحا (Jericho) کے قدیم شہر کے خدوخال کو موضوع سیاحت بنایا گیا ہے۔ میں خود اس راستے سے گزرا ہوں لیکن وقت کی کمی کی بنا پر صرف اریحا کے سنگ میل پر نظر ڈالنے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حافظ صاحب کی تحریر نے میری معلومات میں اضافہ کیا۔ خاص طور پر ارائیں برادری اور اریحا کے تعلق سے، یاسر عرفات کا ایک والہانہ تذکرہ بھی اس مناسبت سے رقم ہو گیا ہے۔

⑧ یروشلم کی دوسری جانب مکبر ہے جہاں میں ایک ساعت کھڑا رہا ہوں، حافظ صاحب نے مکبر اور تکبیر کے حوالے سے یہاں اپنے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

⑨ یروشلم کے محلہ مسعودی اور مسجد عمر کی زیارت، فتح بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے تناظر میں تاریخ کا حوالہ اور پھر صلاح الدین ایوبی کی ایک تصویر کا تذکرہ اور بعد ازاں اسرائیلی فوجیوں کی بندوقوں کے سایہ میں مسجد اقصیٰ کا داخلہ اور نماز کی ادائیگی اور بعد ازاں ایک فلسطینی ابو محمد کی ضیافت میں شرکت اور اس کی دکان کے حوالے سے ایک سرنگ کی دریافت کی عجیب داستان۔

⑩ محلہ داؤد، محلہ مغاربہ اور دیوار گریہ کی تاریخ اور اس کی حقیقت کے بارے میں ایک مستند تحریر جو کہ مسجد براق کے تذکرے پر ختم ہوتی ہے۔

⑪ طریق درد و آلام (یعنی وہ راستہ جہاں بتول نصار کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی صلیب اٹھائے اپنی جائے صلیب تک جانا تھا) کے ایک گوشے میں ایک فلسطینی بھائی امجد ہاشمی کے شاندار ریسٹورانٹ کا تذکرہ جہاں مسلمان زائرین کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

⑫ واپسی کا سفر کہ جس میں سرزمین لُدّ (کہ جہاں اسرائیل کا بین الاقوامی ہوائی اڈہ واقع ہے) پر کثرت سے اگائے جانے والے درخت "غرقد" کا حدود اربعہ بتایا گیا ہے اور احادیث میں اس کے ذکر کی مناسبت بیان کی گئی ہے۔

ائیر پورٹ پر حافظ صاحب چند یہودیوں کی دوستانہ بات چیت کا بھی لطف اٹھاتے رہے اور یوں یہ دلکش، دلربا، گنجینہ معلومات اور دور حاضر کی ہفوات اسرائیلیات تیشۂ حافظ کی تابر توڑ ضربات سے بھرپور سفر نامہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور لبوں پر حافظ صاحب کے لیے دعائے خیر کے الفاظ آجاتے ہیں۔

آخر میں اپنی ایک گزارش حافظ صاحب کے گوش گزار کرتا چلوں کہ جس کے لیے ان کی توجہ کا طلب گار ہوں۔

مروان نے قبۃ الصخرہ کیوں بنایا؟" اس عنوان کے تحت صفحہ ۵۲ سے ۵۴ تک حافظ صاحب نے یعقوبی، ابن کثیر، دمیری اور ابن تغری بردی کے حوالے سے ایک رائے کا اظہار کیا ہے کہ مروان نے قبۃ الصخرہ جیسی عالی شان عمارت عبداللہ بن زبیر کی مخاصمت میں کھڑی کی تھی بلکہ اہل شام کو حج پر جانے سے کلی روک دیا تھا اور حج کے متبادل کے طور پر لوگوں کو گنبد صخرہ کی طرف مائل کیا تھا۔ حوالے کے طور پر ابن کثیر کی روایت لیکن انگریزی ترجمے کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ میں حافظ صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ مندرجہ ذیل نقاط کی روشنی میں اس رائے پر نظر ثانی کریں یا اس دوسری رائے کا بھی ذکر کرتے چلیں جسے ڈاکٹر محمد ضیاء الرئیس نے اپنی کتاب (عبدالملک بن مروان والدولۃ الاموی) میں اور توفیق محمد عبدالجواد نے اپنی تالیف "تاریخ العمارۃ الفنون الاسلامیہ" میں ذکر کیا ہے۔

① حافظ صاحب نے ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے (بزبان انگریزی)۔ یہ عبارت البدایہ والنہایہ کی جلد ۸ میں صفحہ ۳۴۰ پر موجود ہے۔ ابن کثیر نے ۶۶ھ کے حالات کے تحت بحوالہ "صاحب مرآۃ الزمان" تحریر کیا ہے کہ اس سال عبدالملک نے بیت المقدس کی چٹان پر گنبد اور جامع الاقصیٰ کی تعمیر شروع کی تھی جو سن ۷۳ میں پایہ تکمیل تک پہنچی اور اس کے بعد بطور سبب عبداللہ بن زبیر کی مخاصمت کا ذکر کیا ہے۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ان دونوں عمارتوں کی تعمیر عبدالملک کے زمانے میں شروع ہوئی

تھی۔ مروان کا زمانہ خلافت بہت مختصر تھا، صرف دس ماہ۔

② عبد الملک اپنی فقاہت، علم اور علماء کی قدر و منزلت کے حوالے سے معروف ہے، اس لیے اس کام کی نگرانی کے لیے قاضی رجاء بن حیوۃ اور اپنے آزاد کردہ غلام یزید بن سلام کا انتخاب کیا۔

یہ دونوں اتنے امانت دار انسان تھے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد ایک گراں قدر رقم بشمول سیم وزر بچ گئی تھی، انہوں نے خلیفہ کو لکھا کہ وہ اس رقم کا کیا کریں؟ خلیفہ نے جواباً لکھا کہ ہم تمہیں یہ رقم بخشتے ہیں۔ ان دونوں نے انکار کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر ہمیں اپنی خواتین کا زیور بیچ کر بھی اس عمارت کے حسن کو دوبالا کرنا پڑتا ہے تو ہم کر گزرتے ہیں تو خلیفہ نے حکم دیا کہ پھر یہ سارا سونا، چاندی گنبد اور دروازوں کی تزئین و آرائش پر لگا دیا جائے جس کی تعمیل کی گئی۔

③ یروشلم کی عمارات بازنطینی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار تھیں اور عبد الملک چاہتا تھا کہ ایک ایسی عمارت کھڑی کی جائے جو اسلامی اور عربی تہذیب کی عکاس ہو اور لوگ اس کے سامنے رومی اور بازنطینی نقش و نگار کو بھول جائیں اس لیے عبد الملک نے ان دونوں عمارتوں (مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ) پر پانی کی طرح رقم خرچ کی اور واقعی دنیا آج تک یروشلم کے قبۃ صخرہ کے حسن کے سحر میں گرفتار ہے۔

عبد الملک نے عربی تہذیب کو اجاگر کرنے کے لیے کئی دوسرے کام بھی کیے۔ سرکاری رجسٹروں (یعنی دیوان) کی زبان فارسی اور رومن سے عربی میں تبدیل کی گئی۔ عربی سکے ڈھالے گئے اور شہر القدس کو عربی تہذیب کا گہوارہ بنایا گیا۔

④ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ بنو امیہ کو اس بات کا خدشہ رہتا تھا کہ اہل شام جب حج کے لیے جاتے ہیں تو انہیں عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کے لیے مجبور کیا جاتا ہے، اس لیے وہ شامیوں کے حج پر جانے کے خواہاں نہ تھے لیکن عبد الملک جیسے فقیہ اور صاحب علم سلطان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ گنبد صخرہ کو حج کے ایک متبادل کے حیثیت سے متعارف کرائے۔

⑤ یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ سیاسی مخاصمت (اموی، علوی، عباسی وغیرہ) کی وجہ سے بعد میں آنے والے مؤرخین اپنی ذاتی وابستگیوں کی بنا پر کئی بے سند باتیں ذکر کرتے چلے جاتے ہیں جنہیں اگر حدیث کی جانچ کے اصولوں سے نہ سہی بلکہ عقلی اور بے تعصبی کی آنکھ سے دیکھ لیا جائے تو انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور اس کی ایک بڑی مثال جنگ جمل، صفین اور واقعہ کربلا کے ضمن میں ان بہت سی بے سروپا حکایات سے ہے جو میزان عقل و دانش میں پوری نہیں اترتی ہیں۔

زیر سرپرستی

حافظ ڈاکٹر عبدالرحمن مدنی

رئیس جامعہ

زیر نگرانی

جناب انوار غنی

جناب شیخ ادریس الحق

جناب حاجی محمد اسلام

جناب خواجہ کاشف

مہمانانِ گرامی

مولانا عبدالمالک مجاہد

جناب اویس رؤف

زیرِ اہتمام

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

91- بابر بلاک
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

کے شعبہ المعهد العالي للعلوم الاجتماعية

Lahore Institute For Social Science

4 فروری 2025

بروز منگل

بعد نماز مغرب تا عشاء

تقریب تکمیل صحیح بخاری و القراءات العشر

درس بخاری

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ

آخری سبق کی سماعت

فضیلۃ الشیخ قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہ اللہ

فقاہت امام بخاری

فضیلۃ الشیخ مولانا شفیق مدنی

حجیت قراءات

قاری صہیب احمد میر محمدی

علماء کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر عبیدالرحمن محسن

تلاوت قرآن

قاری عبدالسلام عزیزی

فاضل قراءات عشرہ

مجلس استقبالیہ

جناب اقبال نوید صاحب	حافظ شاکر محمود	قاری خالد فاروق	جناب محمد اصغر صاحب	جناب محمد بابر بھٹی صاحب
حافظ احمد ہارون صاحب	جناب محمد عثمان شیخ صاحب	جناب قاری مصطفیٰ راسخ صاحب	قاری محمد ظہیر ادریس صاحب	جناب اللہ دتہ رحیمی صاحب

حافظ ڈاکٹر حسین مدنی : حافظ ڈاکٹر حسن مدنی : حافظ ڈاکٹر انس مدنی : حافظ ڈاکٹر حمزہ مدنی

0321-2637163
0321-7444848

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 56 No.1
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں تحمل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئینِ سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا متصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

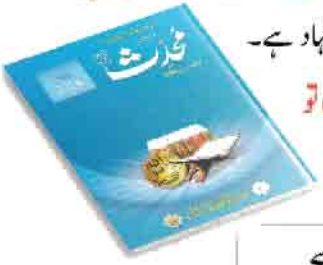

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۱۰۰ روپے
- زرِ سالانہ ۶۰۰ روپے

Designing: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700